ماہنامہ

نقوشِ راہ

JUNE 2022

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

جامع مسجد گیان واپی
تاریخ کے آئینے میں

- ترک صدر طیب اردوان کا دورہ سعودی عرب
- مثالی اسلامی قیادت
- الحاد: تعارف اور تاریخ ایک تحقیقی جائزہ
- لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں

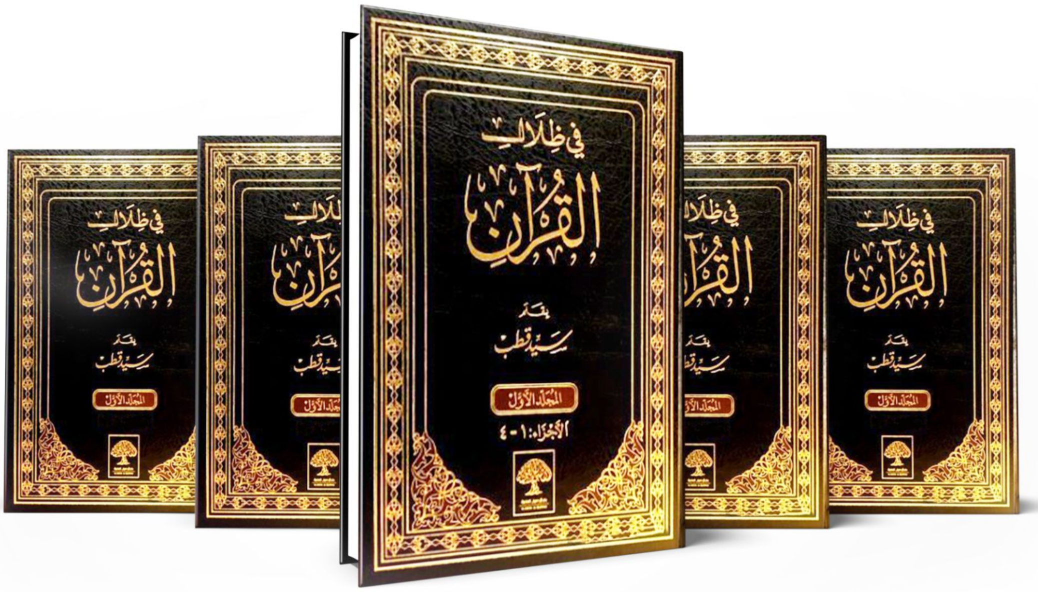

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر
کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9599693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوشِ راہ

Islamic Youth Federation

جون 2022ء، شوال المکرم/ ذی القعدہ ۱۴۴۳ھ | جلد: 05 شمارہ: 06 | اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

چیف ایڈیٹر
معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر
اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت
- پرویز نادر
- فیض الرحمٰن
- صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر
پرویز نادر

زرِ تعاون

فی شمارہ: -/20
سالانہ: -/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	حافظ عبید ابوحذیفہ	05
درسِ حدیث	صابر محفوظ فلاحی	07
ترک صدر طیب اردوان کا دورہ سعودی عرب	مسعود ابدالی	09
مثالی اسلامی قیادت	سید علی شاہ گیلانی	12
الحاد: تعارف اور تاریخ۔ ایک تحقیقی جائزہ	شہباز عباسی	18
لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں	احمد اسامہ جعفری	27
کیا ہم آزاد ہیں؟	فرخ عدنان امراوتی	31
LGBTQ+ تحریک اور اس کے نتائج	بلال حسن	34
بک ریویو: جامع مسجد گیان واپی تاریخ کے آئینے میں	ابوالفیض اعظمی	36
گوشۂ خواتین: خواتین کے مسائل سورۂ نساء کی روشنی میں	مریم جمیلہ فلاحی	40
گوشۂ اطفال: ہم اللہ کے بندے بنیں گے	حافظ ہمام فاروق	41
اقبالیات: طلوعِ اسلام	شیر خالد	42

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press,
Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

مسجد اور مندر کی جنگ نے نیا محاذ گرم کر رکھا ہے۔ گیان واپی مسجد اور کاشی وشوناتھ مندر کا تنازعہ پھر سے منظر عام پر آچکا ہے۔ پچھلے چند ماہ میں ہونے والی ملک گیر کاروائیوں اور سیاسی مباحث پر نگاہ رکھنے والوں کے لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مقتدرہ اپنے اسلام مخالف ایجنڈے پر پوری بے باکی سے عمل پیرا ہے۔ ان کا منصوبہ اتنا واضح اور تیاری اتنی پختہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی راہ میں کوئی روڑا نہیں آئے گا اور بہت آسانی سے وہ اپنا ہدف حاصل کرلیں گے۔ جس آسانی اور پھرتی سے ایک کے بعد ایک نئے معاملات منظر عام پر لائے جا رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے صرف فوری اقدام نہیں ہے۔ بلکہ دیرپا منصوبہ بندی اور خاموش کوششوں کے ذریعہ اس کام کی تیاری دہائیوں پہلے سے جاری ہے۔ ان اقدام کے ذریعہ صرف چند متفرق مسائل کو ہی نہیں چھیڑا جارہا ہے بلکہ عوام کے سامنے ایک نیا بیانیہ پیش کیا جارہا ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے کہ مسلمان اس ملک میں حملہ آور کی حیثیت سے داخل ہوئے اور انہوں نے یہاں کے باشندوں پر ظلم و زیادتی کی اور ان کے دین و اخلاق، تہذیب و روایات، کھان پان اور رہن سہن کے طریقوں پر اپنی تہذیب تھوپ دی۔ مندروں اور مٹھوں کو مسمار کیا اور ان کی جگہ مسجدیں، مدرسے، مقبرے اور خانقاہیں تعمیر کیں۔ اور اس عمل میں لاکھوں مقامی باشندوں کی نسل کشی کی۔ اس بیانیہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملک میں موجود مسلمانوں کی اکثریت جبری تبدیلی مذہب کے نتیجہ میں مسلمان ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ 'گھر واپسی' کے عمل کے ذریعہ دوبارہ ہندو دھرم اختیار کرے۔ مزید یہ کہ اسلامی تہذیب میں جو بھی چیزیں ہندو دھرم کے خلاف ہیں مسلمان ان سے دست بردار ہو جائیں مثلاً گائے کا ذبیحہ، حجاب وغیرہ۔ مسلمان پرسنل لا زکی حد تک بھی شریعت کی پابندی سے دست بردار ہو جائیں اور یکساں سول کوڈ کے ذریعہ اپنی ذاتی زندگی میں ہندو تہذیب کو اختیار کرلیں۔ مسلم حکمرانوں نے جن مندروں اور مٹھوں کو مسمار کیا تھا ان کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔ غور کیا جائے تو متفرق مسائل کے ذریعہ اس خاکہ میں رنگ بھرا جارہا ہے۔ حالیہ تنازعہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔

بنارس کے گیان واپی علاقہ میں موجود مذکورہ مسجد کا نام عالم گیری مسجد ہے۔ علاقہ کی مناسبت سے اسے گیان واپی مسجد کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے۔ صدیوں سے موجود اس مسجد کو تقریباً ربع صدی پہلے تنازعہ کا شکار بنا دیا گیا۔ شر پسند عناصر کا دعوہ ہے کہ اس مسجد کی بنیاد کاشی وشوناتھ مندر کے ایک حصہ کو تباہ کرکے اٹھائی گئی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ گیان واپی مسجد کی تعمیر کی تاریخ کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن بعض آثار و شواہد سے یہ رائے زیادہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے کہ یہ مسجد جونپور کے شرقی سلطان حسین شاہ شرقی نے ۱۴۵۸ء میں تعمیر کرائی تھی۔ ۱۵۸۵ء میں اکبر کے حکم پر راجہ مان سنگھ نے اس مسجد کے متصل اکبری دین 'دین الٰہی' کا مرکز قائم کیا تھا۔ بنارس کی تاریخی روایات سے یہ بات واضح ہے کہ یہ مسجد اکبر کے دور میں مقامی مسلمانوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ چوں کہ اکبر کے دین الٰہی کو لوگ پسند نہیں کرتے تھے اس لیے جب مسجد کے امام نے خطبۂ جمعہ میں اکبر کا نام لینا شروع کیا تو مقامی باشندوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ مسجد سے متصل قدیم دیوار جس کو قدیم وشوناتھ مندر کی دیوار کے نام سے مشہور کیا گیا ہے، اس پر موجود پھول اور دیگر علامات دین اکبری سے متعلق ہیں۔ دین الٰہی کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لیے اورنگ زیب نے اس مرکز کو ۱۶۶۹ء میں ڈھا دیا۔ اور مسجد کو از سر نو تعمیر کرایا۔ چنانچہ یہ مسجد اورنگ زیب کی مناسبت سے عالم گیری مسجد کے نام سے موسوم ہوئی۔ باقی جتنی بھی روایات اس مسجد کے متعلق موجود ہیں وہ سب انگریزوں کے ذریعہ سے گھڑی ہوئی ہیں۔ اس میں سب سے مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جس قدیم مندر کی بنیاد پر مسجد کی تعمیر کا دعوی کیا جاتا ہے اس کا تخیلاتی خاکہ جیمس پرنسیپ نام کے ایک برطانوی نے مقامی پنڈتوں کے زبانی دعوؤں پر تیار کیا تھا۔ ایک دعویٰ یہ ہے کہ مسجد سے متصل موجود ایک گائے کی مورتی، جس کو ہندو 'نندی' کے نام سے پکارتے ہیں، کا رخ مسجد کی جانب ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مسجد میں 'شیولنگ' موجود ہے۔ حالاں کہ اس 'نندی' کی حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء میں نیپال کے راجہ نے اس کو یہاں نصب کرایا تھا۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی تھی لیکن ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ پچھلے ماہ جب سے معاملہ دوبارہ منظر عام پر آیا ہے، تمام اداروں کی جانب سے مسلمانوں کی پوزیشن کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ معاملہ کی قانونی لڑائی جاری ہے، حالانکہ اس کا نتیجہ واضح ہے۔ پھر بھی مسلمانوں کو اپنی سی کوشش کرکے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

ابھی یہ معاملہ زیر بحث تھا کہ متھرا کی عید گاہ کا معاملہ بھی زور پکڑ گیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ قطب مینار، تاج محل، جامع مسجد دہلی، ٹیلہ والی مسجد لکھنؤ، ٹیپو سلطان مسجد میسور کے ساتھ ساتھ تقریباً دس مساجد کے متعلق اسی انداز کے دعوے سنائی دینے لگے۔ یہ معاملہ تھمنے والا نہیں ہے کیونکہ سنگھ نے کافی عرصہ پہلے اپنے رسالہ 'راشٹر دھرم' کے ذریعہ ایسی تیس ہزار مساجد، مدارس اور خانقاہوں کی فہرست جاری کی تھی، جن کے نیچے ہندو آثار ہونے کا دعوی ہے اور وہ ان کے حصول میں کوشاں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہم کیا کریں؟ ہمارے کرنے کا بنیادی کام یہ ہے کہ جن مقامات کو متنازعہ بنایا جارہا ہے ان کی مستند تاریخ کو جمع کیا جائے اور منظر عام پر لایا جائے، تاکہ ہماری آنے والی نسلیں اپنی تاریخ کی مسخ شدہ تصویر پر افسوس نہ کریں۔ مزید یہ کہ تمام معروف ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ان مقامات کے تحفظ اور بازیابی کی لڑائی بھی ہم کو جاری رکھنی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان معاملات کے ذریعہ جو بیانیہ عام کیا جارہا ہے اس کا جواب بھی دینا ہے۔ ہماری عوام اس بات سے واقف رہے کہ مسلم حکمرانوں نے اپنی تمام بد اعمالیوں کے باوجود اپنی غیر مسلم رعایا پر جبراً اسلامی روایات کبھی نہیں تھوپی۔ اس کے برعکس ان میں سے بعض کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے رعایا کی خوشنودی کے لیے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ مسلم دور حکومت کی طوالت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ انہوں نے عمومی طور سے عدل و انصاف کو اپنا بنیادی اصول بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دورانیہ میں خلق خدا نے بڑے پیمانے پر دین اسلام قبول کیا اور اسلام کو اس ملک میں اپنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہونے میں مدد ملی۔ ان حقائق کو عام کرنا اور اسلام کے روشن اصولوں سے لوگوں کو متعارف کرانا موجودہ حالات میں ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔

(معاذ احمد جاوید)

درس قرآن
حافظ عبید ابو حذیفہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (النور: ٦٢-٦٤)

ترجمہ: ”مومنین تو وہ ہیں جو اللہ اور رسول کو دل سے مانتے ہیں اور جب کسی اجتماعی معاملہ کے لیے رسول کے پاس ہوتے ہیں تو اس وقت تک نہیں ہٹتے جب تک اجازت نہ لیں۔ جو لوگ تم سے اجازت لے کر جاتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول کو دل سے ماننے والے ہیں۔
جب وہ اپنی کسی ضرورت سے اجازت مانگیں تو تم ان میں سے جس کو چاہو اجازت دے دو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔
تم رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، تم میں سے اللہ ان لوگوں کو اچھی طرح سے جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر نکل جاتے ہیں۔ پس جو لوگ رسول کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی فتنہ نہ آپڑے یا دردناک عذاب ان پر نازل ہو جائے۔
خبردار ہو جاؤ! زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے تم جس حال پر ہو اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے اور جس دن یہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا اللہ انھیں باخبر کر دے گا اور اللہ ہر چیز جاننے والا ہے۔“

****

زمانہ نزول: ۶ھ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ............

ابن اسحاق اس آیت کی شان نزول میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے موقع پر جب قریش تمام اقوام کو جمع کر کے مدینہ پر چڑھالائے تو حضورؐ نے اس کے دفاع میں مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے میں خود رسولؐ نے بھی کام شروع کیا۔ خندق کھودنے کے کام میں مسلمانوں نے خوب جوش وخروش سے کام کیا۔

منافقین نے اس کام میں رسولؐ اور مسلمانوں سے پیچھے رہنے اور سست روی اختیار کرنے کا مظاہرہ کیا۔ وہ چھوٹے بڑے کاموں کا بہانہ بنا کر نکل جاتے اور بعض رسولؐ سے اجازت لیے بغیر کھسک جاتے جب کہ مسلمانوں کا عمل یہ تھا کہ جب ان کو کوئی ضروری کام پیش آتا تو وہ رسول سے ذکر کرتے، آپ اجازت دیتے اور وہ شخص کام کر کے جلدی واپس کام پر آجاتا اور یہ رویہ مسلمان زیادہ ثواب کمانے کی غرض سے اختیار کرتے۔

اس آیت میں ایک جماعت کے کیا آداب ہونے چاہیے اسکا ذکر ہے اور انھیں آداب کو ملحوظ نظر رکھ کر وہ جماعت ایک منظم جماعت ہو سکتی ہے۔

مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ آجائے تو وہ وہاں سے راہِ فرار اختیار نہیں کرتے اگر کسی شدید ضرورت کی وجہ سے کہیں جانا ہو تو وہ اپنے امیر سے اجازت لے کر ہی جاتے ہیں اور اس کے برخلاف منافقین کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی اہم معاملہ آپڑے تو بغیر اجازت لیے وہاں سے فرار ہو جاتے ہیں۔ اس کا ذکر سورۃ الاحزاب میں بھی اللہ نے کیا ہے جب مسلمانوں پر بہت سخت وقت تھا تب بھی یہ بہانہ بنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے "ان بیوتنا عورہ" ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ امت کے کسی اہم معاملہ کے وقت بغیر اجازت راہِ فرار اختیار کرے۔ اجازت مانگنے کے بعد امیر اگر چاہے تو جانے کی رخصت دے اور اگر چاہے تو رخصت نہ دے۔ اگر امیر یہ سمجھ رہا ہے کہ اس وقت اس شخص کی ضرورت امت کو زیادہ ہے، اس کا یہاں رہنا زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا اور اجازت نہ دے تو امیر کے فیصلے کو قبول کرنا چاہیے کیونکہ امت کے کام انفرادی کام سے زیادہ بڑھ کر ہیں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ..........

اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر اجازت لینے میں ذرا سی بھی بہانہ بازی کا دخل ہوا یا انفرادی ضروریات کو اجتماعی ضرورت پر مقدم کرنے کا خیال ہوا تو یہ درست بات نہیں ہے لہٰذا رسول اور اس کے بعد اس کے جانشین کو یہ چاہیے کہ عذر قبول کرنے کے بعد وہ ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں یقیناً اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ.........

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ اس کے ۳ مطلب ہو سکتے ہیں اور پہلا والا سیاق کے اعتبار سے زیادہ قریب تر ہے۔

(۱) رسولؐ کے بلانے کو عام آدمیوں میں سے کسی کے بلانے کی طرح نہ سمجھو یعنی رسولؐ کا بلاوا بہت زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے۔ رسولؐ تم کو بلائیں اور تم نہ جاؤ یا دل میں ذرہ برابر بھی تنگی محسوس کرو تو ایمان کا خطرہ ہے۔

(۲) رسول کی دعا کو عام آدمیوں کی سی دعا نہ سمجھو۔ وہ تم سے خوش ہو کر دعائیں دیں تو تمہارے لیے اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور ناراض ہو کر بد دعاء دیں تو تمہاری اس سے بڑھ کر کوئی بد نصیبی نہیں۔

(۳) رسولؐ کو پکارنا عام آدمیوں کے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ ہونا چاہیے یعنی تم عام آدمیوں کو جس طرح ان کا نام لے کر آواز بلند پکارتے ہو اس طرح رسول کو نہ پکارا کرو۔ اس معاملے میں ان کا انتہائی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ ذرا سی بے ادبی سے تمہارے تمام اعمال باطل ہو سکتے جیسا کہ سورۃ الحجرات میں فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ"

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ..........

اس ٹکڑے میں منافقین کے رویے پر تذکرہ کیا جارہا ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ اللہ کے رسول کی مجلس میں آتا تو مارے باندھے شریک ہوتے مگر جیسے ہی موقع ملتا وہ فوراً نکل بھاگتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۳ ص: ۴۲۶)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ..........

رسولؐ کی مخالفت سے ہر حالت میں بچنا ضروری ہے چاہے وہ مخالفت قول کے ذریعے کر رہے ہوں یا عمل کے ذریعے۔ رسول کی مخالفت کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہم پر مصائب و مشکلات کی بارش نازل کردے گا یا پھر آخرت میں اختلاف کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ..........

اس آیت میں منافقین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اللہ کی ہیں اور تمہاری جو حالت ہے وہ اللہ سے چھپی نہیں ہیں۔ وہ تمہارے تمام کرتوتوں سے واقف ہے۔ وہ تمہارے کیئے کا پورا پورا بدلہ آخرت کے دن تم کو دے گا۔ لہٰذا تم اپنی روش سے باز آجاؤ۔

●●●

(حدیث)

حضور اکرمؐ نے فرمایا:

کیا میں تم کو ایسے اعمال نہ بتلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے اور درجات کو بلند کرتے ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ۔ ارشاد فرمایا:

ناگواری کے باوجود کامل وضو کرنا، مساجد کی طرف زیادہ قدم چل کر آنا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ سرحد پر پہرہ دینے کی طرح ہے۔ (صحیح مسلم)

درسِ حدیث

صابر محفوظ فلاحی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: ايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنِ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِيَ، فَصَبَرَ فَوَاهًا۔

ترجمہ: ’’حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ’’بلاشبہ انتہائی خوش بخت ہے وہ انسان جو فتنوں سے بچا رہا۔ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جو فتنوں سے بچا رہا‘ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جو فتنوں سے بچا رہا۔ اور جو ان میں مبتلا کیا گیا پھر اس نے صبر کیا‘ تو اس کا کیا کہنا۔‘‘ ایسے آدمی کے لئے شاباشی ہے (ابو داوٗدؒ، 4263)۔‘‘

اس حدیث کو امام ابو داوٗدؒ نے باب الفتن میں جگہ دی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ فتنوں سے مراد وہ آزمائشیں ہیں جن سے مومن کو زندگی میں کفر اور اہل کفر سے سابقہ پڑتا ہے۔ جب باطل حاکم اور غالب ہو اور حق مغلوب اور محکوم ہو تو دین حق اختیار کرنے والوں کو اور اس پر چلنے والوں کو کیسی کیسی زحمتیں پیش آتی ہیں اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے زمانہ میں باطل اور اہل باطل کی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں اور ڈالی ہوئی مصیبتوں کے باوجود ایسا شخص حق پر جما رہتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ شاباشی اور دعا کا مستحق ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کی سفیان بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیؐ سے پوچھا: ’’قل لي في الاسلام قولا لا اسال عنه احدا غيرك قال: قل امنت باللّٰہ ثم استقم‘‘

’’اسلام کے سلسلے میں ایسی جامع بات مجھے بتا دیجئے کہ کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا ’’آمنت باللّٰہ‘‘ کہو اور جم جاوٗ۔‘‘

قرآن مجید میں ہے:

’’ان الذين قالوا ربنا اللّٰه ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكه الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنه التي كنتم توعدون نحن اولياء كم في الحياه الدنيا وفي الاخره ولكم فيها ما تشتهي انفسكم ولكم فيها ماتدعون نزل من غفور الرحيم۔‘‘

’’جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاوٗ اور جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا۔ ہر وہ چیز جس کی تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی، یہ سامان ضیافت اللہ غفور الرحیم کی جانب سے ہوگی۔‘‘

ایمان کی اصل عزت استقامت ہے اور یہی استقامت ایمان کو معتبر اور مفید بناتی ہے۔ استقامت آزمائش کے وقت زیادہ مطلوب ہوتی ہے۔ حالات کسی بھی فرد یا قوم کے لئے یکساں نہیں ہوتے، اہل ایمان پر بھی اچھے اور خراب دن آتے ہیں بلکہ اہل ایمان کی آزمائش دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، کبھی جان و مال کا نقصان ہوتا ہے تو کبھی بیماریوں سے آزاری ہوتی ہے، کبھی کفر و الحاد کا زور ہوتا ہے تو کبھی دشمنوں کا خوف ہوتا ہے، کبھی عزت و آبرو پر حملے ہوتے ہیں، غرض یہ کہ ان تمام حالتوں میں سچا مومن گھبراتا نہیں اور گھبرا کر اپنے ایمان میں کمزوری نہیں دکھاتا بلکہ مضبوطی سے ایمان پر جم جاتا ہے۔ جس طرح آندھی اور طوفانی ہواوٗں میں انسان اپنی چادر کو چھوڑتا نہیں بلکہ مضبوطی سے

پکڑ لیتا ہے اور اپنے جسم پر لپیٹ لیتا ہے اسی طرح مومن ناموافق حالات میں ایمان سے دستبردار نہیں ہوتا بلکہ اسے مضبوطی سے تھام لیتا ہے۔

ایمان کے ساتھ ساتھ آزمائش ہمیشہ لگی ہوتی ہے۔ انبیاء کرام، صحابہ اور صالحین سب آزمائشوں سے گزرے ہیں مگر ایمان میں کمزوری نہیں دکھائی۔ حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا، حضرت یوسفؑ کو مصر کے بادشاہ نے جیل میں ڈالا تھا، حضرت زکریاؑ کو حکومت نے آرے سے چیرا تھا اور ان کے بیٹے حضرت یحییٰؑ کو ذبح کر دیا تھا، فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کا منصوبہ بنایا اور ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، حضرت عیسیٰؑ کو رومی حکومت نے یہودیوں کے کہنے پر پر سولی پر چڑھانے کی کوشش کی تھی، تاجدار ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰؐ کو قتل کرنے کے لیے کفار مکہ نے ان کے گھر کو گھیر لیا تھا، مدینہ میں بھی اسی طرح کی کوششیں ہوئیں۔ ان سارے حالات میں نبیوں نے حالات کی سختی کو جھیلا، پریشانیاں اٹھائیں، بعض نے جان دے دی مگر ایمان و اسلام سے ایک لمحہ کے لیے نہ پھرے۔

حضرت خباب بن ارتؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہؐ سے اپنی مصیبتوں کا حال بیان کیا اور اللہ سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا اور آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا مگر وہ دین حق سے نہیں پھرتے تھے، لوہے کی کنگھی سے گوشت کو ہڈی سے نوچ لیا جاتا پھر بھی وہ دین سے نہیں ہٹتے تھے۔

طبرانی نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس میں یہ مضمون ارشاد ہوا ہے کہ جب دین کا سیاسی نظام بگڑ جائے گا تو مسلمانوں پر ایسے حکمراں ہوں گے جو غلط رخ پر سوسائٹی کو لے جائیں گے اگر ان کی بات مانی جائے تو لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور اگر ان کی بات کوئی نہ مانے تو وہ اسے قتل کر دیں گے تو اس پر لوگوں نے پوچھا کیف نصنع یا رسول اللہ یعنی ایسے حالات میں ہمیں آپ کیا ہدایت دیتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا:

کما صنع اصحاب عیسی بن مریم نشروا بالمنشار وحملوا علی االخشب، موت في طاعة الله خير من حياة في معصية الله۔

"یعنی تمہیں وہی کچھ اس زمانے میں کرنا ہوگا جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھیوں نے کیا۔ وہ آرے سے چیرے گئے اور سولی پر لٹکائے گئے لیکن انہوں نے باطل کے آگے ہتھیار نہیں ڈالا، اللہ کی اطاعت میں مرجانا اس زندگی سے بہتر ہے جو اللہ کی نافرمانی میں بسر ہو۔"

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینه کالقابض علی الجمر۔

"رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایسا وقت آجائے گا جس میں اہل دین کے لئے دین پر جمے رہنا انگارے کو ہاتھ میں لینے کی طرح ہوگا۔"

مطلب یہ ہے کہ حالات انتہائی ناساز گار ہوں گے، باطل کا غلبہ ہوگا، حق مغلوب نظر آئے گا، لوگوں کی اکثریت بہت دنیا پرست ہو جائے گی، ایسے حالات میں دین پر جمنے والوں کو خوشخبری دی گئی ہے۔ انگاروں سے کھیلنا بہادری کا کام ہو سکتا ہے بزدل لوگ اس طرح کا کھیل نہیں کھیلا کرتے۔

موجودہ زمانے میں ان احادیث سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ باطل چاہے جتنا زور لگالے ہمیں دین پر ثابت قدمی سے جمے رہنا ہے۔ اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ آج بظاہر تو باطل غالب نظر آرہا ہے اور حق اور اہل حق مغلوب نظر آرہے ہیں ایسے میں دل شکستہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حق کا غلبہ یقینی ہے۔

"قل جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا۔"

اسی طرح مومن کو کہا جارہا ہے کہ وہ دل شکستہ نہ ہو اور غم نہ کرے، غلبہ انھیں کے حق میں ہے۔

ولا تهنو ولا تحزنوا وأنتم اعلون إن كنتم مؤمنين

موجودہ زمانے میں ان احادیث اور قرآنی آیات سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ باطل چاہے جتنا زور لگالے ہمیں دین پر ثابت قدمی سے جمے رہنا ہے۔

●●●

اعلان برائے اشتہار و تعاون

نقوش راہ کو مالی تعاون درکار ہے جس کے لیے آپ اپنے اشتہارات اور مالی تعاون دے سکتے ہیں۔ تفصیلات کے لئے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

+919156564239

ترک صدر طیب اردوان کا دورہ سعودی عرب

مسعود ابدالی

گزشتہ چند ماہ سے خلیجی ممالک اور ترکی کے درمیان پس پردہ بات چیت یا بیک ڈور ڈپلومیسی کی جو خبریں آرہی تھیں، ان کی رمضان کے آخر میں تصدیق ہوگئی جب ترک صدر رجب طیب اردوان، شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی خصوصی دعوت پر سعودی عرب پہنچے۔ اس دورے میں شاہی خاندان اور سعودی حکومت نے ترک صدر کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ دوسری جانب صدر اردوان نے بھی شاہ سلمان کے لیے حد درجہ عزت واحترام کا مظاہرہ کیا۔ سعودی بادشاہ کو ضعیف العمری کی وجہ سے چلنے میں مشکل ہوتی ہے چنانچہ شاہی محل کے لان پر استقبالیہ تقریب کے بعد وہاں سے محل کے اندر جاتے ہوئے ترک صدر نے شاہ سلمان کی کہنی کو آہستگی سے سہارا دیا جس سے گھر کے بزرگ کے ساتھ احتراماً سر جھکا کر چلنے کا تاثر پیدا ہوا۔ شاہی خاندان میں صدر اردوان کی اس وضع داری کو بہت پسند کیا گیا۔ سعودیوں نے ترک صدر کے لیے خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے دروازے کھول دیے جو سعودیوں کے یہاں مہمانوں کی عزت افزائی کی علامت ہے۔ ڈھائی ماہ پہلے صدر اردوان کے دورۂ متحدہ عرب امارات میں بھی میزبانوں کی طرف سے اسی قسم کی گرم جوشی نظر آئی تھی۔

ترکوں اور آلِ سعود کے درمیان چپقلش عثمانی دور سے جاری ہے۔ اس دوران امام عبدالوہابؒ کی فکر سے متاثر، خاندانِ سعود اور ترکوں میں کئی خونریز تصادم ہوئے، تاہم جب 1932ء میں المملکۃ السعودیہ کے نام سے آزاد ریاست قائم ہوگئی تو ترکی کے صدر کمال اتاترک نے سعودی عرب کو تسلیم کرکے مکمل سفارتی تعلقات قائم کرلیے۔ ابتدا میں ان دونوں ملکوں کے تعلقات بہت عمدہ رہے اور خارجہ امور پر باہمی مشاورت کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ اسی صلاح ومشورے کا نتیجہ تھا کہ برطانیہ کے شدید دباؤ کے باوجود سعودی عرب بھی ترکوں کی طرح دوسری جنگِ عظیم میں غیر جانب دار رہا۔

ان دونوں ملکوں کے تعلقات میں بال اُس وقت پڑا جب شاہ سعود بن عبدالعزیز کا مشورہ رد کرتے ہوئے ترکی 1955ء میں امریکہ نواز سینٹو (CENTO) المعروف معاہدۂ بغداد کا اتحادی بن گیا۔ سعودی فرمانروا کا موقف تھا کہ دوسری جنگ عظیم میں غیر جانب دار رہنے کی وجہ سے ترکی اور سعودی عرب لڑائی کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے چنانچہ ہمیں سرد جنگ سے بھی خود کو دور رکھنا چاہیے لیکن ترک صدر جلال بایار اور وزیر اعظم عدنان میندریس کا خیال تھا کہ بحر اسود میں روسی بحریہ کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے مقابلے کے لیے مضبوط ترکی کو اتحادیوں کی ضرورت ہے۔ ترکی کے ساتھ عراق، ایران، پاکستان اور برطانیہ، امریکہ کی سرپرستی میں بننے والے اس عسکری اتحاد کا حصہ تھے۔ سعودی عرب کے وزیر اعظم شاہ فیصل بن عبدالعزیز سینٹو میں شمولیت کے حامی تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ 1962ء میں شاہ سعود کی معزولی کے عوامل میں سے ایک نکتہ بغداد معاہدے سے انکار بھی تھا۔

ایران عراق جنگ کے دوران صدام حسین

کی پشت پناہی پر دونوں ملک یکسو تھے اور اس دوران سعودی عرب نے ترکی کو نقد مالی مدد بھی فراہم کی۔ امریکہ کے 1991ء میں عراق پر حملے کی بھی ان دونوں ملکوں نے کھل کر حمایت کی اور 2003ء کے امریکی حملے کی اصولی مخالفت کے باوجود دونوں نے چچا سام کا ساتھ دیا۔

دسمبر 2010ء میں تیونس سے طلوع ہونے والی لہر آزادی یعنی الربیع العربی (Arab Spring) کے آغاز پر ریاض اور انقرہ کے درمیان دوستی اور دشمنی کا ایک مبہم سلسلہ شروع ہوا۔ شام میں بشارالاسد کے خلاف ہونے والی بغاوت میں ترکی اور سعودی سمیت تمام خلیجی ممالک ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ لیبیا اور یمن کے معاملے پر بھی سعودی عرب اور ترکی میں کوئی اختلاف نہ تھا لیکن مصر میں صدر حسنی مبارک کے خلاف عوامی جدوجہد سعودی عرب کو پسند نہ آئی، اور پھر وہاں عوامی سطح پر اخوان المسلمون کے بڑھتے ہوئے اثر سے خلیجی ممالک میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ پارلیمانی انتخابات میں واضح کامیابی کے بعد جون 2012ء میں جب ڈاکٹر محمد مرسی 73.51 فیصد ووٹ لے کر صدر منتخب ہوگئے تو خلیجی ممالک اور ترکی کی راہیں جدا ہوگئیں۔

جناب اردوان جو اُس وقت ترکی کے وزیر اعظم تھے، صدر مرسی کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔ آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑے عرب ملک میں عوامی قوت سے ایوانِ اقتدار میں اخوان کا پُروقار داخلہ خلیجی بادشاہتوں کے ساتھ اسرائیل اور اُس کے امریکی و مغربی اتحادیوں کے لیے بھی تشویش کا باعث بنا۔

اسی کے ساتھ تیونس اور مراکش کے انتخابات میں بھی اخوانی فکر سے وابستہ النہضہ اور حزب العدالۃ والتنمیۃ (Justice and Development Party) کامیاب ہوگئیں۔ شمالی افریقہ کا نیا نظریاتی جغرافیہ امریکہ بہادر کے لیے ناقابل قبول تھا، چنانچہ مغرب کی ایما پر مصر میں سیکولر اتحاد نے صدر مرسی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا اور اس ”کارِ خیر“ میں سلفی تحریک النور پیش پیش تھی۔ پارلیمانی انتخابات میں اخوان نے 235 اور النور نے 123 نشستیں حاصل کی تھیں، یعنی 508 کے ایوان میں اسلامی قوتوں کا تناسب دوتہائی سے زیادہ تھا لیکن النور مخلوط حکومت سازی کے لیے اخوان کی دعوت مسترد کر کے سیکولر قوتوں کے شانہ بشانہ سڑکوں پر آگئی۔ فوج اس تحریک کی پشت پر تھی اور 3 جولائی کو جنرل السیسی نے صدر مرسی کا تختہ الٹ دیا۔ ”انتہا پسندی“ کے خاتمے کے لیے مصر میں خون کی جو ہولی کھیلی گئی اس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔

سعودی عرب اس کشمکش میں دامے درمے قدمے سخنے جنرل السیسی کی پشت پر تھا تو رجب طیب اردوان اخوان کے اتحادی۔ انھوں نے جنرل السیسی کو قاتل اور غاصب کہا۔ سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے علما کا خیال ہے کہ اخوان کے معاملے میں ترکی کے دوٹوک رویّے نے سعودی عرب کی ناراضی کو صدر اردوان سے نفرت میں تبدیل کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ 2014ء میں سلامتی کونسل کے غیر مستقل ارکان کی نشست کے لیے ہونے والے انتخاب میں سعودی عرب نے کھل کر ترکی کے خلاف مہم چلائی اور انقرہ سلامتی کونسل میں جگہ نہ پاسکا۔

اخوان کی وجہ سے سعودی عرب اور قطر کے تعلقات میں کشیدگی کا آغاز ہوا اور 2017ء میں محمد بن سلمان المعروف MBS کے ولی عہد بننے کے بعد معاملہ مزید سنگین ہوگیا، حتیٰ کہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے فلسطینی حماس اور اخوان کی پشت پناہی کے الزام میں قطر سے سفارتی تعلقات توڑ کر اپنی فضائی، بری اور آبی سرحدیں قطر کے لیے بند کر دیں۔ سابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے خلیجی ممالک کی جانب سے قطر کے بائیکاٹ کو ”منطقی“ قرار دیتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں کی پشت پناہی کا دور لد گیا اور یہ بات قطر کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔

ناکہ بندی قطر کے لیے انتہائی تباہ کن ہوسکتی تھی، اس لیے کہ خلیج کی یہ ننھی سی ریاست سبزی، گوشت، دودھ دہی اور غلہ سعودی عرب سے خریدتی ہے۔ اس موقع پر ترکی کھل کر قطر کی مدد کو آیا اور غذائی اجناس کی فراہمی کے ساتھ اُس نے قطر کے دفاع کے لیے بحری جہاز اور فوجی بھی وہاں بھیج دیے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ترکی کی اس تیز رفتار کارروائی کی بنا پر MBS نے قطر کے خلاف عسکری مہم جوئی کا ارادہ ترک کر دیا۔

سعودی ترک تعلقات میں ایک اور فیصلہ کن موڑ 2018ء میں آیا جب واشنگٹن پوسٹ کے کالم نگار جمال خاشقجی استنبول کے سعودی قونصل خانے میں قتل کر دیے گئے۔ جمال خاشقجی شاہی

خاندان پر سخت تنقید کیا کرتے تھے۔اس معاملے پر سرکاری مؤقف کا اظہار کرتے ہوئے سعودی عرب کے اٹارنی جنرل شیخ سعود بن عبداللہ نے بتایا کہ جمال خاشقجی اپنی چند دستاویزات کی توثیق کے لیے قونصل خانے آئے تھے۔وہاں ان کی کچھ لوگوں سے بحث مباحثے کے دوران شدید تلخ کلامی ہوئی اور لڑائی کے نتیجے میں جمال خاشقجی جاں بحق ہو گئے۔سعودی اٹارنی جنرل کے مطابق ذمہ داروں کو سزائیں سنادی گئی ہیں۔ ترک حکومت کا اصرار ہے کہ جرم استنبول میں ہوا ہے اس لیے مقدمہ ترکی ہی میں چلنا چاہیے۔

لیبیا کے معاملے پر بھی اب سعودی عرب اور ترکی کے اختلافات شدید ہو گئے ہیں۔سعودیوں کا خیال ہے کہ لیبیا کی وفاقی حکومت نظریاتی طور پر اخوان کے زیر اثر ہے، چنانچہ ریاض، حفتر ملیشیا کی پشت پناہی کر رہا ہے۔اس دہشت گرد ملیشیا کو امریکہ، فرانس اور اسرائیل کی حمایت حاصل ہے۔

"دشمن کا دشمن دوست" کے اصول پر سعودی عرب نے نگورنو کاراباخ تنازعے میں آذربائیجان کے مقابلے میں آرمینیا کی حمایت کی۔گزشتہ برس اکتوبر میں سعودی عرب، یونان، متحدہ عرب امارات، مصر اور اسرائیل نے طیب اردوان کو بحر روم، بحر احمر اور خلیج کے لیے نیا خطرہ قرار دیا۔سعودی اور اماراتی وزرائے خارجہ نے الزام لگایا کہ صدر اردوان تجدید خلافتِ عثمانی کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل صدر اردوان نے علاقائی اور پڑوسی ممالک سے تعلقات بہتر بنانے کی مہم شروع کی تھی۔اقتصادی ماہرین کا خیال ہے کہ کورونا کے نتیجے میں ترک معیشت شدید دباؤ میں ہے۔روس سے فضائی دفاعی نظام خریدنے کی بنا پر امریکہ نے ان کے ملک پر پابندیاں لگادی ہیں جس سے ترک برامدات متاثر ہو رہی ہیں۔

اس سال کے آغاز پر صدر اردوان نے اپنے اسرائیلی ہم منصب کو خیر سگالی کا سندیسہ بھیجا جس میں دونوں ملکوں کے تعلقات کو بہتر بنانے کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔اسرائیل کا جواب مثبت تھا اور ایک عرصے بعد ترکی اور اسرائیل نے ایک دوسرے کے ملکوں میں سفیر دوبارہ تعینات کر دیے۔گزشتہ ماہ اسرائیل کے صدر اسحٰق ہیزرگ نے ترکی کا دورہ کیا۔یہ 14 سال بعد دونوں ملکوں کے پہلی اعلیٰ سطحی ملاقات تھی۔

صدر اردوان نے مصری صدر عبدالفتاح السیسی کی طرف بھی خیر سگالی کے پیغامات کے ساتھ ایلچی بھجوائے ہیں اور قاہرہ سے آنے والے اشارے حوصلہ افزا ہیں۔فروری میں صدر اردوان کے دورے کے بعد سے انقرہ اور ابوظہبی کے مابین سلسلہ پیام و کلام میں باقاعدگی آ گئی ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق امارات نے یمنی حوثیوں سے مصالحت کے لیے ترکوں سے ثالثی کی درخواست کی ہے۔

سعودی عرب خود بھی سفارتی سطح پر مشکلات کا شکار ہے۔امریکی کانگریس میں جمال خاشقجی قتل کی آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ زور پکڑ رہا ہے۔ یمن میں خونریزی، شہری آبادیوں پر بمباری اور جنگ کے نتیجے میں قحط نے ایک انسانی بحران پیدا کر دیا ہے اور اب درجنوں اراکین کانگریس سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کو اسلحہ کی فروخت روکنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

اس تناظر میں ریاض اب یمن کی بے نتیجہ و بے مقصد جنگ سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا ہے۔اسی کے ساتھ ریاض سے آنے والے اشاروں سے لگتا ہے کہ MBS ترکی اور ایران سے تعلقات کو معمول پر لانے یا کم از کم کشیدگی ختم کرنے کے خواہش مند ہیں۔صدر اردوان کو رمضان کے آخری عشرے میں دورے کی دعوت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا دونوں جانب سے گرم جوشی کا اظہار بہت واضح اور غیر مبہم تھا۔صدر اردوان کے حالیہ دورۂ سعودی عرب کا خیر مقدم کرتے ہوئے امارات کے ولی عہد محمد بن زید (MBZ) نے کہا کہ "بھائیوں" کے درمیان بے تکلف ملاقاتوں سے علاقے میں امن و استحکام کی کوششوں کو تقویت حاصل ہوگی۔

اسی کے ساتھ سعودی عرب نے یمن کے ایران نواز حوثیوں کی طرف شاخِ زیتون لہرانی شروع کر دی ہے۔جس دن صدر اردوان سعودی عرب آئے اسی روز سعودی نواز خلیجی اتحاد کے عسکری سربراہ جنرل ترکی المالکی نے 163 حوثی جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کا اعلان کر دیا۔یہ قیدیوں کا تبادلہ نہیں بلکہ خیر سگالی کا یک طرفہ مظاہرہ ہے۔حوثیوں نے اس پر کسی غیر معمولی خوشی یا جوابی اقدام کا اعلان نہیں کیا لیکن سعودی پُر امید ہیں کہ اس خونریزی کا پُر امن خاتمہ بعید از قیاس نہیں۔یہ جنگ 2015ء سے

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

مثالی اسلامی قیادت

سید علی

قرآن پاک کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر ضرورت کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوتی رہی اور عالم انسانیت کی جو واحد لیڈر شپ جناب رسول اللہ کی اس میں وہ تمام صفات جمع کر دی گئیں جو ایک کامیاب رہنما کے لیے ضروری ہے۔ فرمایا گیا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ و الیوم الآخرۃ و ذکر اللہ کثیرا۔

''ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے ساتھ ملاقات رکھنے پر یقین رکھتے ہیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں ان کے لیے بہترین نمونۂ عمل رسول پاک کی سیرت اور پاک زندگی میں ہے۔''

اس میں وہ ساری خصوصیات و صفات جمع ہیں جو ہر دور کے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ ایک آئیڈیل لیڈر شپ کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنے نصب العین کا واضح اور مکمل استحضار ہو، تاکہ جس نصب العین کے لیے وہ خود جدو جہد کر رہا ہے، جس کے لیے ملت کو پکار رہا ہے اور عالم انسانیت کو دعوت دے رہا ہے اور خود اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نصب العین متعین کیا ہے:

''وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَآ إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ'' (فصلت:۳۳)

''سب سے بہترین دعوت اگر کوئی قرار دی جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کی طرف بلایا جائے اور اعمال صالح ہوں اور پھر اعلان مسلم ہو۔''

اور پھر یہ بھی کہ:

''إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ''

(التوبہ:۱۱۱)

اور پھر ایسے لوگوں کی صفات گنائی گئی ہیں:

'' الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ'' (التوبہ:۱۱۲)

پھر ایسے لوگوں کی قیادت کرنے والے وہ لوگ ہوں جو ان صفات سے سب سے زیادہ متصف ہوں۔ سورۃ المائدہ کی آیات کی روشنی میں آپ دیکھیں گے کہ ارتداد ہر دور میں رہا ہے۔ یہ دور ختم نہیں ہوا۔ یہ ارتداد کچھ تو ایک حد تک واضح ہوتا ہے کہ اس کے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں آتی لیکن بسا اوقات ایسے انداز کا ہوتا ہے کہ اسے ارتداد کہنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ اسلام کا جو واضح نصب العین اور صاف شفاف دعوت ہے اس دعوت میں اگر آپ مشکلات اور سختیوں کے پیش نظر اور ابتلا و آزمائش کے خوف سے اس میں اپنے طور سے کچھ ترمیم کریں اور جن لوگوں کے سامنے آپ اسلام کو پیش کرنے جا رہے ہیں آپ ان کی رعایت سے کچھ ایسا انداز اختیار کریں کہ وہ آپ سے بدک نہ جائیں یا آپ کے نظریہ کے دشمن نہ بن جائیں اور ان کو یہ امید بن جائے کہ کسی نہ کسی مرحلہ پر آپ کا اور ان کا گٹھ جوڑ ہو سکتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا ارتداد ہے۔ یہ ایک ایسی شکل بن جاتی ہے جسے قرآن کے الفاظ میں

مداہنت کہا گیا ہے۔ ایسے ماحول میں بھی وہ صفات ضروری بن جاتی ہیں جو مداہنت سے بچ کر اپنے نصب العین کی خصوصیات اور تقاضوں کو بغیر کسی لاگ لپیٹ کے سامنے لاسکے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا کہ:

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" (الحجر:۹۴)

یہ لازمی جزء ہے کہ اپنی بات کو کھل کر کہا جائے۔

اور یہ مشرکین کا ڈر وخوف اس زمانے میں بھی تھا جس زمانے میں یہ انقلابی پیغام نازل ہوا۔ جس طرح اس زمانے میں مشرکین کا ڈر وخوف اور مذمت اور ان کی مخالفت اور ان کی ایذاء رسانیوں کے اندیشے تھے آج بھی برابر وہی ہیں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ تو اس زمانے میں جو ہدایت دی گئی وہی ہدایت آج کے زمانے میں بھی رہیں گی۔

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" (الحجر:۹۴)

"مشرکین سے اعراض کیجیے اور جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کو کھل کر بیان کیجیے۔"

یہ نہیں کہ سیکولرازم، کمیونزم، سوشل ازم، کیپٹل ازم یا دوسرے ازم جو آج کل انسانی سماج پر غلبہ چاہتے ہیں، آپ دین کے حامل ہو کر ان ازموں کے سایہ میں زندہ رہنے کی کوشش کریں اور ان ازموں کو آپ براہ راست چیلنج نہ کریں۔ یہ تو آپ ایک ترمیم کر رہے ہیں اپنے نصب العین میں، یہ تو آپ ایک ایسا جھول پیدا کر رہے ہیں جس جھول کی آپ کو اپنا نصب العین اجازت نہیں دیتا۔

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ۔إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ" (الحجر:۹۴۔۹۵)

"ہم استہزاء کرنے والوں کے مقابلہ میں آپ کے لیے کافی ہیں آپ کا تحفظ، آپ کو کام کرنے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے اللہ کافی ہے۔"

اور جب آپ مشرکین کے خوف سے ایسا کریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کا اللہ کی کفالت پہ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت پہ یقین مضبوط نہیں ہوا۔

"قل لن ينفعكم الفرار ان فررتم من الموت أو القتل و اذن لا تمتعون الا قليلا"

"اے رسول اللہ! آپ ان سے کہہ دیجئے تم کو کوئی نفع نہیں پہنچائے گا فرار موت یا قتل ہونے سے اور اگر ایسا آپ کریں گے بھی تو بہت تھوڑی دیر کے لیے آپ اپنے آپ کو بچا پائیں گے۔"

موت بہر حال آئے گی، موت کے خوف سے آپ اپنے نصب العین میں کوئی کمی، کوئی ترمیم اور کوئی مداہنت کی روش اختیار کریں تو بہر حال یہ آپ کے ایمانی تقاضوں کے منافی ہے۔ ایسے حالات میں اللہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دین کا تحفظ کرے۔

"انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون"

"ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس ذکر کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

تو پھر وہ انتظام کرتا ہے حفاظت کا، تو وہ کیسے ہوتا ہے۔"من يرتد منكم عن دينه فسوف يأتى الله بقوم" تو عنقریب وہ ایسی قوم پیدا کرے گا، ایسے افراد پیدا کرے گا جن کی صفات یہ ہوں گی "يحبهم و يحبونه" "وہ اللہ کو محبوب رکھیں گے اور اللہ ان کو محبوب رکھے گا" تو ملت کی قیادت کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ محبت کرنے والے ہوں، اللہ کے ساتھ عشق کرنے والے ہوں، اللہ کے وعدوں پر یقین رکھنے والے ہوں اور اللہ کی حفاظت پر یقین رکھتے ہوں اور بنیادی صفت جب تک راسخ نہ ہو جائے تو دوسری صفات جو قیادت کے لیے ضروری ہیں وہ صفات پیدا نہیں ہوسکتیں۔ جیسے آپ یہ تصور نہیں کرسکتے کہ بیج کے بغیر کوئی درخت اُگے گا ٹھیک اسی طرح اگر آپ کے دل میں اللہ کی محبت نہ ہو اور اللہ کو آپ اپنی زندگی کا ایسا مالک نہ سمجھیں کہ آپ کا خیر آپ کے لیے شر اور آپ کے لیے فلاح اور آپ کے لیے خسران اور آپ کے لیے بہبود اور خرابی سب کچھ جب تک آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے اس وقت تک آپ اپنے اندر وہ صفات پیدا نہیں کر پائیں گے جو صفات آپ کے لیے، امت کی قیادت کے لیے ضروری ہیں۔ "قل لن يصيبنا الاما كتب الله لنا هو مولانا و على الله فيتوكل المؤمنون" یہ یقین کہ ہماری زندگی میں جو کچھ پیش آئے گا وہ اللہ کی طرف سے آئے گا، اس کے بعد یہ کہ اللہ کا رشتہ ہمارے ساتھ کیا ہے؟ کیا وہ جان بوجھ کر ہمیں نقصان پہنچائے گا؟ هو مولانا وہ ہمارا مولا ہے، ہمارا آقا ہے، ہماری پرورش کر رہا ہے، اس نے تو زندگی کی ساری

نعمتیں ہمیں دی، وہ خواہ مخواہ ہم کو کیوں ستائے گا؟ اس کو کتنی محبت ہے ہمارے ساتھ کہ رسول پاکؐ کی خدمت میں ایک صحابیؓ آرہے ہیں، وہ کہیں جا رہے تھے کہ کسی جھاڑی میں انھوں نے ایک پرندے کے بچوں کو دیکھا اور ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور جب آپؐ نے ان سے پوچھا کہ ان بچوں کو آپ نے کیوں لیا ہے؟ دیکھو! ان کی ماں آپ کے سر پہ منڈلا رہی ہے ایسے موقع پر قیادت کی رہنمائی کیا ہے؟ ایسے موقع پر یعنی پرندوں کے بچے ہیں پھر ان کی ماں ان کی محبت میں بے چین اور مضطرب ہو کر ان کے سر پر منڈلا رہی ہے ایسے موقع پر آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اپنے ساتھی کو اللہ کی محبت کے بارے میں بتائیں۔

آپ غور کیجئے نفسیات کی کتنی گہری پہچان ہے اور ضرورت کے موقع کا کتنا بہترین استعمال ہے۔ آپؐ نے اپنے پاک باز ساتھی سے فرمایا: دیکھو جتنی محبت اس ماں کو اپنے بچوں سے ہے اس سے ستر گنا اللہ کو اپنے بندوں سے پیار ہے، تو جب اس حیثیت سے اپنے مولیٰ پر ایمان رکھا جائے کہ اس کو ماں سے ستر گنا زیادہ ہماری محبت ہے تو پھر اس کی طرف سے پیش آمدہ تکالیف کو، آزمائشوں کو انسان اپنے لیے کوئی عذاب نہیں سمجھے گا، وہ یہی سمجھے گا کہ میرے مولیٰ کو میرے لیے اس میں بہتری دکھائی دے رہی ہے اور اسی حیثیت سے اس کو بڑی خوشی سے انگیز کرے گا۔

”من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی اللہ بقوم یحبهم و یحبونه “ اللہ ان کو محبوب رکھے گا اور وہ اللہ کو محبوب رکھیں گے۔ ” أذلة علی المؤمنین“ مومنوں کے لیے وہ بڑے نرم ہوں گے، یہ ایک اور خصوصیت ہے۔

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ایک قائد اور داعی کو اپنے نصب العین کا استحضار ہونا چاہیے اور نصب العین کے استحضار کے ساتھ نصب العین کا تعین کرنے والی ذات کے ساتھ اس کا تعلق بہت گہرا ہونا چاہیے، کیونکہ نصب العین کے لیے کام کرنے کے واسطے اصل تحریک یہی محبت ہے جو نصب العین دینے والی ذات سے ہو۔ ”یحبهم و یحبونه أذلة علی المؤمنین“ مومنوں کے لیے وہ بڑے نرم ہوتے ہیں جیسے رسول پاک ﷺ کے لیے فرمایا گیا ہے کہ:

”فبما رحمة من اللہ لنت لهم و لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعفوا عنهم و استغفر لهم و شاورهم فی الأمر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین “ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر ایک احسان کی حیثیت سے جتلا رہا ہے کہ میرا تم پر بڑا احسان ہے کہ رسول پاک کو میں نے آپ کے لیے بڑا نرم خو بنا دیا ہے، یہ بہت بڑی خاصیت ہے کہ قائد کو بہت نرم خو ہونا چاہیے، بہت شفیق، رفیق اور محبت رکھنے والا ہونا چاہیے۔ ”فبما رحمة من اللہ لنت لهم و لو کنت فظا غلیظ القلب“ اگر یہ تند خو ہوتے، شدت رکھنے والے ہوتے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا، یہ آپ سے قریب جو ساتھی ہیں وہ دور ہو جاتے اور پھر ہدایات دی جاری ہیں کہ ”فاعفوا عنهم“ آپ ان کو معاف کیا کریں، آپ ان سے درگذر کیا کریں، اتنا ہی نہیں کہ آپ ان سے درگذر کر لیا کریں بلکہ آپ ان کے لیے مغفرت بھی مانگا کریں۔ کتنا بڑا احسان اور کتنی بڑی خصوصیت ہے کہ خود ہی معاف نہ کریں بلکہ اللہ سے ان کے لیے مغفرت کی دعا کیا کریں ”فاعفوا عنهم و استغفر لهم و شاورهم فی الأمر “ اور معاملات میں آپؐ ان سے مشورہ بھی کر لیا کریں۔ اور دیکھئے مشورہ یعنی آپ پر براہ راست اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، براہ راست اللہ کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے لیکن پھر بھی ہدایت دی جا رہی ہے کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا کریں ”وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ“ اور مشورہ کرنے کے بعد اگر آپؐ کسی چیز کا عزم کر لیا کریں تو اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر عملی اقدام کر لیا کریں۔

تو یہ خصوصیت ہے اہل ایمان کے لیے نرم ہونا، شفیق و رفیق ہونا، ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگذر کرنا اور پھر خلوت میں ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرنا۔ یہ آپ دیکھ لیجیے اسی دل و ذہن سے ممکن ہو سکتا ہے جس دل و ذہن میں بے لوث جذبہ ہو، اپنے ساتھیوں کے ساتھ بے لوث محبت ہو۔

” أعزة علی الکافرین “ اور دوسری خصوصیت کیا ہے؟ کافروں پر سخت ہیں۔ اب کافروں پر سخت ہونے کا بعض لوگ یہ مطلب لیتے ہیں بس لٹھ لے کر ان کے پیچھے پڑا جائے اور ان سے زور زبردستی کی جائے کہ تم دین میں داخل ہو جاؤ لیکن یہ اس کا مطلب نہیں ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کو اپنے نصب العین کی خدمت کے لیے جو مزاحمت ہوگی وہ مزاحمت کافروں، مشرکوں، دین کے دشمنوں سے ہوگی اور دین کا غلبہ نہ چاہنے والوں سے ہوگی تو ان کے مقابلہ میں وہ آپ کو اذیتیں پہنچائیں گے، آپ کے لیے جیل کے دروازے کھلیں گے، سختیاں ہوں گی، تختۂ دار پر لٹکایا جائے گا، آپ کے جسم کو چھلنی کردیا جائے گا، سب کچھ ہوگا لیکن آپ کو اپنے نصب العین پر اس قدر ثابت قدم رہنا چاہیے کہ وہ آپ کو شکست دینے میں ناکام ہوجائیں۔ ”أذلة على المؤمنين أعزة على الكافرين“ کافروں کے لیے سخت ہونے کا یہی مطلب ہے، آپ کو لوہے کا چنا بنا ہے اور مشرکین کے دانت آپ کو چباتے ہوئے ٹوٹ جائیں لیکن وہ آپ کو چبا نہ سکیں۔ یہ ہے مطلب أعزة على الكافرين کا اور اسی لیے سورہ روم میں فرمایا گیا ہے کہ ”فاصبر ان وعد اللہ حق“ یا رسولؐ اللہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیجیے ” ان وعد اللہ حق“ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے وہ وعدہ سچا ہے، وہ وعدہ کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہوگا اور یہ لوگ جو یقین نہ رکھنے والے ہیں وہ آپ کو ہلکا نہ بنا سکیں، یہ آپ کو آپ کے نصب العین سے پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ انھوں نے آپؐ کے قتل کے منصوبے بھی بنائے، آپ پر پتھر بھی پھینکے، غلاظت بھی پھینکی آپ کو شعب ابی طالب میں تین سال محاصرہ میں رکھا اور آپ کو وہ اذیتیں پہنچائیں جو شاذ و نادر ہی کسی کو پہنچائی گئی ہوں لیکن اس کے بعد بھی آپ اپنے موقف اور اپنے نصب العین پر چٹان کی طرح جمے رہے اور وہ لوگ آپ کو اپنے موقف سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکے جیسا کہ آپ نے ابو طالب سے کہا: میرے چچا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب بھی رکھ دیں لیکن پھر بھی میں اپنے نصب العین کی خدمت سے اور مشن کی خدمت سے باز نہیں آؤں گا۔ یا تو میری جان اس میں جائے گی یا اللہ اس دین کو غالب کرے گا۔

کافرین کے لیے سخت جان ہونا یہی مطلب رکھتا ہے کہ ان کی ایذاء رسانیوں سے، ان کی تکلیفوں، اذیتوں اور مخالفتوں سے ہم اپنے نصب العین سے پیچھے نہ ہٹ جائیں، تو یہ خصوصیت ایک قائد میں جس درجہ کی اکمل ہوگی لازماً اس کا عکس اس کے پیروں پر پڑے گا اور اسی شکل میں، اسی صورت میں وہ ایک ایسا گروہ تیار کرنے میں کامیاب ہوجائے گا جو گروہ اس کو نصب العین کی خدمت کے لیے مطلوب ہے۔ ”أعزة على الكافرين يجاهدون في سبيل اللہ“ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہ جہاد اسلام کی روح ہے اگر آپ جہاد کو اسلام سے خارج کریں گے یا جہاد کو آپ معطل کریں گے تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے جسم سے روح نکالی اور روح کے بغیر جسم زندہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ جہاد مال سے بھی ہوسکتا ہے، یہ جو جہاد و قتال کرنے والے لوگ ہیں ان کو مدد فراہم کرنے سے بھی ہوسکتا ہے، جہاد دین کو سمجھنے کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، جہاد دین کو سمجھانے کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، یہ جہاد احقاق حق کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جہاد پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت میں یہ ہو کہ میں سب کچھ اللہ کی رضا اور دین کی خاطر کرتا ہوں، آخرت کی فلاح کے لیے کر رہا ہوں تو ہر عمل جہاد میں شمار ہوگا۔

پھر جہاد کا آخری مرحلہ آتا ہے جس کو قرآن کی اصطلاح میں قتال کہا جاتا ہے۔ قتال جہاد کا آخری مرحلہ ہے اور جہاد پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے، تو اس جہاد میں آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف اس میں مشرکین مزاحم بنتے ہیں بلکہ عافیت کوش مسلمان بھی اس میں مزاحم بنتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ آپ مسلم معاشرہ میں پائیں گے کہ جب ہم جہاد کے لیے نکلیں گے تو مسلم معاشرہ ہمارا ساتھی بنے گا اور یہ معاشرہ ہمیں سہولیات فراہم کرے گا اور ہمیں سر آنکھوں پر بیٹھائے گا؟ نہیں ایسی بات نہیں ہے، تاریخ نے ہر دور میں یہ بات سامنے لائی ہے کہ جہاد کی کوششوں میں مسلمان بھی برابر اسی طرح مزاحم بنتے ہیں جس طرح کفار اور مشرکین مزاحم بنتے ہیں۔ تو ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ” ولا يخافون لومة لائم“ ”اور وہ لوگوں کی ملامتوں کا خوف نہیں کرتے“، بے خوف ہو کر اپنے اللہ کی رضا کے لیے جہاد کی سرگرمیوں میں شامل ہوتے ہیں اور کسی حال میں بھی اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے اور اس کوشش میں لگے رہتے ہیں ” ولا يخافون لومة لائم ذلك فضل اللہ يوتيه من يشاء و اللہ واسع عليم“ ”یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان بڑا وسیع ہے وہ جس کو عطا کرتا ہے اپنی طرف سے ان کو منتخب

کرتا ہے۔"

قرآن پاک کی ان آیات میں ان ساری صفات کو مجتمع کر دیا گیا ہے۔ سب سے بنیادی صفت یہ ہے کہ اپنے نصب العین کا واضح استحضار ہو اور پھر اس نصب العین کے مقابل جو نظریات ہوں اور جو دوسرے نصب العین ہوں ان کا بھی واضح حد تک علم ہونا چاہیے تاکہ ان کا توڑ کر سکیں اور پھر نصب العین کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جو آپ کی راہ میں اذیتیں آجائیں، مشکلات آجائیں تو ان کو انگیز کرنے کا جذبہ ہو۔ اور پھر ایک خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ تمام انسانوں کے ساتھ برابری وہ محبت کا جذبہ ہو جو محبت اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تخلقوا بأخلاق الله"

"یعنی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرو۔"

اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس کو اپنے بندوں سے پیار ہے اور اپنے بندوں سے پیار کی یہ صفت جب تک اس قائد میں نہ ہوں اور ان لوگوں میں نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کرتے ہیں اس نسبت سے کہ ان تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچ جائے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کریں اور جنت کا وارث بنانے کی کوشش کریں جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"میرا حال تو یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور آپ لوگوں کو جنت کے قریب لے جانا چاہتا ہوں۔"

تو یہ صفت ایک داعی اور قائد میں ہونی چاہئے۔ اس کو انسانوں کے ساتھ اتنا پیار ہو، وہ ان کو جہنم سے بچانے کے لیے اتنا مضطرب ہو جیسے کہ اپنے بچے کے آگ میں جھلس جانے کے وقت مضطرب ہوتا ہے۔ جب تک یہ صفات ان میں پیدا نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ اپنے نصب العین کی خدمت کے لیے خود کو اہل نہیں بنا سکتے۔ علامہ اقبال مرحوم نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

"خطرات میں کودنا، خطرات کو انگیز کرنا یہ ایک داعی ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر فرد کے لیے لازمی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی تڑپ رکھتا ہو۔ آج کل مسلم قیادتوں میں بہت سی خصوصیات ہو سکتی ہیں لیکن وہ ان کو اپنی منزل تک پہنچانے میں کیوں ناکام رہتی ہیں؟ اس لیے کہ ان میں یہ صفت نہیں ہوتی ہے، بہت سی صفات ان میں ہوتی ہیں لیکن یہ صفت نہیں ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی محبت کا جذبہ، اللہ کی اطاعت کا جذبہ اور اللہ کے دین کی غلبہ کی کوشش و تمنا، یہ چیزیں جب قائد میں نہ ہوں تو پھر جو لوگ ان کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں ان کا بھی وہی حال ہوتا ہے۔ پھر ان میں بے خوفی ہونی چاہیے اور بے خوفی بھی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور پھر آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ سب سے بڑا نڈر دل ہوتا ہے، اللہ کا خوف آپ کو تمام خوفوں سے بے نیاز بنا دیتا ہے، جب آپ کو یہ یقین ہو کہ میری زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر دنیا کا خوف آپ کو کمزور نہیں بنا سکتا۔ کامیابی کا وہ پیمانہ جو آج کل لوگوں نے متعین کیا ہے کہ دنیا میں ہی ہم وہ بہار دیکھیں اور دنیا میں ہی ہماری کوششوں کے نتائج ہمارے سامنے آجائیں یہ کامیابی کا صحیح معیار نہیں ہے، کامیابی کا اصل معیار یہ ہے کہ آپ اپنے نصب العین کی خدمت کے لیے کیا وہ حق ادا کر رہے ہیں جو آپ پر عائد ہوتا ہے؟ اگر آپ وہ حق ادا کر رہے ہیں تو ضروری نہیں کہ آپ دنیا ہی میں کامیابی کی منزل دیکھ لیں، صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ نصب العین کے لیے اپنا حق ادا کریں، جیسے فرمایا گیا ہے کہ "لایکلف الله نفسا الاّ وسعها" کسی نفس کو اللہ اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ اپنی زندگی کو بچائے رکھیں، "لایکلف الله نفسا الا وسعها" وہ شرط یہ ہے کہ آپ اپنے نصب العین کے لیے مال خرچ کریں، آپ کی وسعت میں ہے، آپ کو اللہ نے قلم کی صلاحیت دی ہے، آپ اس وصف کو خرچ کریں، اپنے نصب العین کی خدمت کے لیے زبان کی استطاعت ہے، تعلیم ہے یہ سب کچھ ہے، لیکن اپنی زندگی کی قربانی دینا بھی آپ کی وسعت میں ہے، اس کو آپ اپنی وسعت کے دائرہ کے باہر نہ رکھیں، کیونکہ زندگی بھی آپ کی اپنی نہیں ہے، زندگی بھی آپ کو اللہ کی دی ہوئی ہے اور اللہ کی دی ہوئی زندگی کو اگر آپ اللہ کے پسندیدہ نصب العین کے لیے وقف نہ کر سکیں اور قربان کرنے کا جذبہ نہ رکھتے ہوں تو آپ اپنی وسعت کو محدود بنا رہے ہیں، جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ جان بچانا

فرض ہے، اسی لیے آپ اپنے آپ کو کسی خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتے، لیکن یہ بچانا فرض ہے جہنم سے، اب آپ سمجھتے ہیں کہ جان کو بچانا ہے مرنے سے، اگر آپ ایسا کریں گے تو اپنے آپ کو مرنے سے نہ بچاسکیں گے "کل نفس ذائقة الموت ثم الینا ترجعون" کون سا انسان ہے دنیا میں؟ فوج والا ہو، چاہے حکومت والا ہو، سرمایہ دار ہو، چاہے صحت و توانائی والا ہو، کوئی انسان دنیا میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ موت سے نہیں بچاسکتے تو اس کو اللہ کی راہ میں قربان ہونے سے کیوں بچائیں گے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"و أنفقوا فی سبیل اللہ و لاتلقوا بأیدیکم الی التھلکة و أحسنوا ان اللہ یحب المحسنین"

"و أنفقوا فی سبیل اللہ" "اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"، کیا مطلب ہے اس آیت کا؟ مطلب یہ ہے کہ آپ دین کے لیے، غلبہ کے لیے مال خرچ نہیں کریں گے، بخل برتیں گے، دین کو آپ کے مال کی ضرورت ہے تاکہ دین غالب ہوجائے، اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو اس کے نتیجہ میں کفر کا آپ پر غلبہ ہوگا، باطل نظام آپ پر غالب ہوجائیں گے، پھر آپ کو عبادت کے لیے بھی اجازت لینی پڑے گی اور پھر دینی شعائر پر عامل ہونے کے لیے بھی آپ کو روکا جائے گا لہٰذا جب آپ اس واحد ضامن کے لیے اپنی صلاحیتیں، اپنا مال اور اپنی قدرت کی ودیعت کی ہوئی قوتیں اور خصوصیتیں وقف نہیں کریں گے اور استعمال نہیں کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باطل نظام آپ پر مسلط ہوگا اور اس کے نتیجہ میں آپ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں گے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ:

"و أنفقوا فی سبیل اللہ و لاتلقوا بأیدیکم الی التھلکة"

"خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکتوں میں نہ ڈالو۔"

صحیح معیار یہ ہے کہ آپ اپنی صلاحیتیں صرف کردیں، لیکن یہ امید نہ رکھیں کہ دنیا ہی میں کامیابی کی منزل دیکھ لیں۔ اللہ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کو بھی وہ آپ کی کوششوں کے ثمرات دکھادے لیکن آپ اس کو اپنی کامیابی کا معیار قرار نہ دیں اگر آپ اس کو اپنی کامیابی کا معیار قرار دیں گے تو آپ کو نعوذ باللہ حضرت نوحؑ کو بھی کہنا پڑے گا کہ وہ کامیاب نہیں ہوئے، پھر آپ کو بہت سارے پیغمبروں کو ناکام قرار دینا پڑے گا۔ صحیح معیار بقول شاعر کے یہ ہے:

رہ روان عشق راہ رہ خستگی راہ تیست
عشق ہم راہ وہم منزل است

یہ عشق اور محبت کی راہ میں چلنے والے لوگ ہوتے ہیں جن کو خستگی راہ نہیں ہوتا یعنی تھکاوٹ ان کو محسوس نہیں ہوتی، وہ اس لیے کہ منزل بھی ہے وہ راستہ بھی ہے، یعنی راستہ بھی وہی ہے منزل بھی وہی ہے، اس راستہ پر اگر آپ ایک بھی قدم چلیں اور ایک قدم چلنے کے بعد چلنے کے مواقع آپ سے چھن جائیں تو آپ کامیاب ہوگئے کیونکہ یہ راستہ ہی نہیں منزل بھی ہے۔

آج کے دور میں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان صفات کی حامل قیادت کی بہت ضرورت ہے اگر ان صفات کی حامل قیادت اس امت کو نصیب نہ ہو تو پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ ملت ایسی ہی بکھری رہے گی اور اس امت کا شیرازہ متحد نہیں ہوسکے گا اور یہ ملّت دوسرے کے لیے نوالہ تر ثابت ہوجائے گی جیسے حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ: ایک وقت آئے گا کہ دنیا کی غالب قومیں تم کو اس طرح ہڑپ کریں گی جس طرح بھوکے لوگ کھانے کو ہڑپ کرجاتے ہیں، بہت سے بھوکے لوگ ہوں آپ ان کے سامنے کھانا رکھیں گے تو ان کے کھانے کی کیفیت کو آپ کو دیکھنا چاہیے، ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش رہتی ہے کہ کھانے میں سے مجھے زیادہ سے زیادہ حصہ ملے کیونکہ وہ سارے بھوکے ہوتے ہیں اور اس انداز سے وہ کھانا کھائیں گے کہ میں زیادہ کھاسکوں، غالب قومیں ہمارے سامنے ہیں، یہ سامراجی قوتیں جو ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے مسلمانوں پر ان کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں اور ان کی یہ خواہش رہتی ہے کہ مسلمانوں کی چاہے افرادی ہو یا ان کی مادی قوت ہو، یا ان کو قدرت نے جو ذرائع بخشے ہیں، تیل کے ذرائع، معدنیات کے ذرائع اور دوسری صلاحیتیں ہیں، یہ غالب قومیں کوشش کرتی رہتی ہیں کہ ان میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ ہم کو ملے اور زیادہ سے زیادہ ہم ان سے استفادہ کرسکیں، اسی طرح روس کی یہ کوشش رہتی ہے اور بھارت کی بھی یہی کوشش ہے، آج کل یہ بھی ایک ابھرتا ہوا سامراج ہے اس کی بھی اپنی کوشش ہے۔

●●●

الحاد: تعارف اور تاریخ۔ ایک تحقیقی جائزہ

شہباز عباسی

الحاد کا مطلب خداوند تعالیٰ کے وجود کا انکار ہے۔ جس معاشرے میں الحادی سوچ پروان چڑھنے لگے وہ معاشرہ تباہی کے راستے پر چل نکلتا ہے۔ الحادی افکار کے حامل افراد، خاص طور پر نوجوان بہت سی سماجی اور ثقافتی، روحانی اخلاقی، ذہنی اور نفسیاتی برائیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ بہت سی اخلاقی اور معاشرتی فحاشیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ان حالات میں ایک مسلم معاشرہ میں مسلمان اسکالرز کا یہ فریضہ ہے کہ وہ الحاد کی ماہیت اور اس کے موجبات پر روشنی ڈالیں، علمی دلائل کے ذریعے الحادی افکار کا ابطال کریں اور نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت میں ایسی پالیسیاں اپنائیں جو الحادی افکار کے پھیلاؤ کا سدباب کرسکیں۔ اس مضمون میں اسی غرض و غایت کے تحت الحاد کی تعریف، تاریخ اور ماہیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

الحاد کا لغوی معنیٰ:

الحاد کا مادہ (ل۔ح۔د) ہے جس کے معنیٰ حق سے انحراف کرنا ہے۔ لحد، یلحد، لحدا فی الدین۔ یعنی: ''مذہب سے پھر جانا، دین میں طعن کرنا، جھگڑا کرنا، احکام خداوندی کو ترک کرنا۔

الحاد کا اصطلاحی معنیٰ و مفہوم:

الحاد کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں لیکن سب سے آسان تعریف یہ ہے:

"Atheism means that the belief that God does not exist"

یعنی: ''الحاد کا مطلب یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے اور اس کا مخالف لفظ توحید پرستی ہے۔''

امام راغب اصفہانی الحاد کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ترک القصد فیما امر بہ و أشرک باللہ أو ظلم أو احتکر الطعام۔''

''الحاد کے معنی جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کا ارادہ ہی نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، ظلم کرنا اور خوراک کی ذخیرہ اندوزی ہے۔''

تاج العروس کے مطابق:

''أشرک باللہ تعالیٰ هکذا فی سائر النسخ التی بأیدینا و نقله المصنف فی البصائر عن الزجاج و الذی فی أمهات اللغة: و قیل: الالحاد فیه: الشک فی اللہ قاله الزجاج هکذا نقله فی اللسان فلینظر أو الحد فی الحرم: ظلم و هو أیضا قول الزجاج أو الحد فی الحرم: احتکر الطعام فیه و هو مأخوذ من الحدیث عن عمر احتکارُ الطعام فی الحرم الحاد فیه''

''کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا الحاد ہے۔ ہمارے پاس جس قدر بھی نسخے ہیں وہ البصائر کے مصنف زجاج اور لغت کی بڑی کتب یہی معنیٰ بیان کرتی ہیں اور اس کے معنیٰ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی ذات میں شک کرنا اس کو زجاج نے بیان کیا اور لسان العرب میں بھی اس طرح نقل کیا گیا ہے تو غور و فکر مطلوب ہے یا (اس کا معنیٰ یوں بھی ہے) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حرم میں الحاد کرنا ظلم کرنا وغیرہ کے زمرے میں آتا ہے۔ حضرت عمر سے ماخوذ ہے کہ خوراک کی ذخیرہ اندوزی کو بھی الحاد کہتے ہیں۔''

مندرجہ بالا تعریفات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ الحاد درحقیقت کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک طرز فکر اور سوچ کا نام ہے۔ ایسی منحرف سوچ جس میں ہر وہ عمل شامل ہے جو عقیدۂ توحید اور

توحید اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے فرمودات سے ٹکرائے اور خالق کے مدِ مقابل مخلوق کو لا کھڑا کرے۔ خدا اور مذہب پر یقین نہ رکھنے والوں کو ''ملحد'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی خالق کو سرے سے مانتے ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک خدا، دیوتا یا مافوق الفطرت ہستیوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

الحاد کے مترادف الفاظ:

لغت کی کتابوں میں ''دہریہ'' اور ''زندیق'' الحاد کے مترادف الفاظ ہیں۔ علم الکلام کے ماہرین نے بھی الحاد کی اصطلاح کے ساتھ ''زندیق'' کا لفظ اس کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی بے دین ہونا، بداعتقاد ہونا (صفت)، نیز باطن میں کفر اور ظاہر میں ایمان بیان ہوئے ہیں۔ احمد امین فرماتے ہیں کہ:

''عربی زبان میں زندیق کا لفظ نہیں تھا۔ عرب لوگ جب اس مفہوم کو ادا کرنا چاہتے تھے تو ملحد یا دہری کہا کرتے تھے۔''

امام جوہری لفظ ''زندیق'' کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ:

'' الزنديق من الثنوية، وهو معرب، و الجمع: الزنادقة ، والهاء (أى التاء الموقوف عليها بالهاء) عوض من الياء المحذوفة، و أصله زناديق، (والفعل من ذلک) تزندق، و الاسم: الزندقة''

''زندیق ثنویت کی ایک شاخ ہے۔ یہ لفظ معرب ہے جس کی جمع زنادقہ آتی ہے۔ تزندق اس سے فعل اور زندقہ اسم آتا ہے۔'' اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ زندقہ بھی یہودیت اور نصرانیت کی طرح کوئی خاص مذہب ہے اور عام طور پر الحاد اور بددینی کے معنوں میں اس کا استعمال ایک نئے معنی ہیں جو بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ لفظ زندیق بھی الحاد سے ملتا جلتا ہے ایک قسم کا کفر نفاق ہے۔ یعنی ایسا شخص جو ظاہر میں قرآن اور احادیث نبویؐ کو ماننے کا دعویٰ اور اقرار کرے لیکن آیات قرآنی کے معانی ایسے گھڑے جو دوسری نصوص قرآن وسنت اور اسلام کے منافی ہوں۔ الغرض یہ کہ زنادقہ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے فکری و عملی دونوں صورتوں میں اسلام سے انحراف کیا اور الحاد کے راستے میں پڑتے گئے۔

قرآن کی روشنی میں الحاد کے معانی:

قرآن مجید میں لفظ الحاد کا اطلاق سیاق وسباق کے مطابق مختلف معانی پر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ کبھی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے اور کبھی اصطلاحی معنی میں۔ مجموعی طور پر قرآن مجید میں الحاد کا لفظ کجروی، پناہ گاہ اور انحراف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ'' (الحج: ۲۵)

''بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے اور اس مسجد حرام (کعبۃ اللہ) سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے یکساں بنایا ہے اس میں وہاں کے باسی اور پردیسی (میں کوئی فرق نہیں) اور جو شخص اس میں ناحق طریقہ سے کج روی (یعنی مقررہ حدود وحقوق کی خلاف ورزی) کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

اس آیت میں الحاد کا لفظ کجروی یا خلاف ورزی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

''وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ لاَ مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَداً'' (الکھف: ۲۷)

''اور آپ وہ (کلام) پڑھ کر سنائیں جو آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔''

''قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَداً'' (الجن: ۲۲)

''آپ فرما دیں کہ نہ مجھے ہرگز کوئی اللہ کے (امر کے خلاف) عذاب سے پناہ دے سکتا ہے اور نہ ہی میں قطعاً اس کے سوا کوئی جائے پناہ پاتا ہوں۔''

اس آیت میں لفظ ملتحدا 'جائے پناہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جن آیات میں الحاد کا معنی انحراف کے طور پر استعمال ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں:

''وَلِلهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ'' (الأعراف: ۱۸۰)

''اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، سو اسے ان ناموں سے پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے انحراف

کرتے ہیں، عنقریب انہیں ان (اعمالِ بد) کی سزا دی جائے گی جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

"وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَـٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ"

"اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ (کفار و مشرکین) کہتے ہیں کہ انھیں یہ (قرآن) محض کوئی آدمی ہی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف وہ بات کو حق سے ہٹاتے ہوئے منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن واضح و روشن عربی زبان (میں) ہے۔"

ان تمام آیات بینات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہی نتیجہ مترشح ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے انسانی طبیعت میں طاغوتی فکر کے عیارانہ خیالات کو عیاں فرمایا ہے کہ کج روی اور صحیح راہ سے انحراف فطرت قبیحہ کا خاصہ ہوتا ہے۔ ان تمام آیات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ الحاد کا معنی صحیح راہ سے انحراف کے ہیں۔

الحاد کا مفہوم احادیث کی روشنی میں:

الحاد کا لفظ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔

حدثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب عن عبدالله بن أبي حسين حدثنا نافع بن جبير عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ.

"ابوالیمان، شعیب، عبداللہ بن ابی حسین، نافع بن جبیر، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض (یعنی برا) اللہ کے ہاں تین شخص ہیں، حرم میں ظلم کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا اور کسی شخص کا خون ناحق طلب کرنے والا تاکہ اس کا خون بہائے۔"

اس حدیث مبارکہ میں ملحد کے معنی ظلم کے مترادف استعمال ہوا ہے۔

الحاد کی اقسام:

الحاد کا موضوع اتنی وسعت پاچکا ہے کہ موجودہ دور کے مفکرین نے اس کو درج ذیل تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے:

(۱) الحاد مطلق:

الحاد مطلق کی تعریف بیان کرتے ہوئے محمد دین جوہر لکھتے ہیں کہ:

"Gnosticism سے مراد ہے علم یا معرفت رکھنا۔ یہ ملحدین خدا کے انکار کے معاملے میں شدت کا رویہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ روح، دیوتا، فرشتے، جنت و دوزخ اور مذہب سے متعلقہ روحانی امور اور ما بعد الطبیعاتی (Meta Physical) امور کو کسی بھی صورت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ انسان اور کائنات کی تخلیق میں کسی خالق کا کمال نہیں ہے بلکہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہیں اور فطری قوانین (Law of nature) کے تحت چل رہی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامل لوگوں کو Agnostic Athiest کہا جاتا ہے۔ عام طور پر جب ملحدین یعنی اتھیسٹ کا ذکر ہوتا ہے تو ملحدین سے مراد یہی طبقہ ہوتا ہے۔"

(۲) لاادریت:

"لاادریت" Agnostism سے مراد ایسے عقیدے کا حامل جو یہ تصور رکھتا ہو کہ ہم خدا کے بارے میں جانتے ہیں اور نہ ہی اس کا علم رکھ سکتے ہیں۔ اس حوالے سے محمد دین جوہر اپنی کتاب "الحاد ایک تعارف" میں "لاادریت" کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ: "عام معنوں میں اس سے مراد خدا کو اپنے ادراک (سوچ، سمجھ) سے ماوراء سمجھ کر اس معاملے میں سکوت کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا ہے یا نہیں، ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں اس بارے میں صرف یہ سوچنا چاہیے کہ "ہمیں معلوم نہیں ہے" ان لوگوں کو Agnostic Athiest کہا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے ماننے والے لوگ خدا کے انکار و اقرار دونوں سے دور رہتے ہیں۔"

(۳) ڈیزم:

ڈیزم Deism سے مراد ایسے افراد جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا اس کائنات کا خالق و مالک ہے لیکن اس نے کائنات کو بنا کر چھوڑ دیا ہے اب انسان جانے یا دنیا جانے۔ اس حوالے سے محمد دین جوہر فرماتے ہیں کہ:

"یہ نظریہ خدا کو صرف ایک خالق کائنات کی حد تک ماننے کا اصرار کرتا ہے۔ اس نظریے کے قائل لوگوں کے مطابق خدا کائنات کو وجود میں لا کر اور اس کے لیے مقرر قوانین بنا کر خود کو معطل کر چکا ہے لہٰذا نظام کائنات میں اب کسی ہستی کی مداخلت نہیں ہے اور اس کائنات کا اب کوئی ناظم نہیں ہے۔"

الغرض جدید دور میں الحادی سوچ کا تعین مندرجہ بالا افکار کی روشنی میں عیاں ہے۔

الحاد کی تاریخ:

الحاد ہمیشہ انسانی معاشروں میں رہا ہے لیکن یہ کبھی قوت نہیں پکڑ سکا کیونکہ دنیا بھر میں یا تو انبیاء کرامؑ کے متبعین، ایک اللہ کو رب ماننے والے غالب رہے یا پھر شرک کا غلبہ رہا۔ چند ملحد فلسفیوں کو چھوڑ کر تاریخ میں انسانوں کی اکثریت ایک یا کئی خداؤں کے وجود کی بہر حال قائل رہی ہے۔ قدیم زمانے میں مذہب کے مقابلے میں الحاد و دہریت کا پھیلاؤ اس لیے بھی کم رہا کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اور ان انبیاء کے مقابلے میں مشرکین اور منافقین اپنی زور آزمائی میں کبھی پیچھے نہیں رہے۔ بڑے مذاہب مثلاً بدھ مت کے ہاں اگرچہ خدا کا کوئی واضح تصور نہیں پایا جاتا تاہم دیوتاؤں پر ''بدھ مذہب'' کے ماننے والے بھی یقین رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ دنیا میں چند فلسفی ایسے گزرے جنہوں نے خدا کی وحدانیت کو مختلف صورتوں میں تسلیم کیا ہے۔ مثال کے طور پر ڈیکارٹ کا تصور وحدانیت یہ ہے کہ:

''میں ایک کامل و اکمل ہستی کا تصور رکھتا ہوں جو ایک ایسے جوہر کی حیثیت رکھتی ہو جو لامتناہی، ازلی و ابدی، قائم بذات اور غیر محتاج ہو اور میرے علاوہ تمام دیگر اشیائے کائنات کا خالق ہو۔''

خلاصہ یہ کہ الحاد کے ادوار کو ہم مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) قدیم دور:

الحاد کے آثار و علامات ہمیں تاریخ کے ہر دور میں ملتے ہیں۔ کیونکہ جس دور میں بھی اگر الحاد کا جائزہ لیا جائے تو روحانی استدلال کے مدمقابل شیطانی استدلال پیش کرنے والے افراد بھی اس دنیا میں موجود تھے۔ چنانچہ تخلیق آدم کے دوران ابلیس کا انحرافی نقطہ نظر الحاد کے آغاز کا سبب تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ''(البقرہ: ۳۴)

''اور جب فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اور وہ کافروں میں سے تھا۔''

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ سب سے پہلی انحرافی سرگرمی کا آغاز ابلیس کے سبب ہی وقوع پذیر ہوا۔

(۲) یونانی دور:

یونانی دور میں بھی بہت سے افراد ایسے تھے جو ایک سے زائد علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ ان میں ارسطو، افلاطون اور دیگر شخصیات نے تصور اللہ کے حوالے سے اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ لیکن اس دور میں مذہب کے مدمقابل فلسفیانہ عناصر زیادہ موجود تھے۔ اس طرح یونانی دور میں فلسفیانہ عقائد کو بہت پذیرائی ملی کیونکہ اس دور میں ہر بات عقل کے پیش نظر ہوتی تھی جس کا واضح ثبوت تاریخ کی کتابوں میں ہمیں ملتا ہے۔ یونان میں الحادی فکر کے حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

''یونانی فکر لاتعین اور فرسودہ خیالات کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یونانی مفکر عالم حیرت سے اوپر نہیں اٹھ سکے۔''

خدا کے متعلق یونانی مفکر ارسطو کا عقیدہ یوں نقل کیا گیا ہے:

''وہ ایک قوت مقناطیسی ہے جو تمام اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے لیکن درحقیقت نہ وہ خالق ہے اور نہ خلق و خلقت سے اسے کوئی تعلق ہے۔''

(۳) رومی دور:

رومی دور کے حالات و واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ:

''رومی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی اپنے مذہب و عقائد میں راسخ الایمان نہ تھے اور درحقیقت وہ اس بارے میں معذور بھی ہیں۔ اس لیے کہ جو مشرکانہ اور توہم پرستانہ مذہب روم میں رائج تھا اس کا تقاضہ یہ تھا کہ رومی علم میں جس قدر ترقی کرتے جائیں اور ان کے دماغ روشن ہو جائیں اتنی ہی اس مذہب کی بے توقیری اور اس کی عظمت میں کمی واقع ہو جائے۔''

(۴) جدید دور:

حضرت عیسیٰؑ کے دور سے پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی بعثت تک الحاد مختلف شکلوں میں چلتا رہا۔ اسلامی فتوحات کا نتیجہ میں بہت سی تہذیبیں اسلامی عقائد کے زیر اثر چلی گئیں۔ اس دور میں بہت سے ایسے فلاسفر و حکماء پیدا ہوئے جنھوں نے مذہب کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا۔ تاہم بیسویں صدی میں مغربی تہذیب میں ایک بار پھر سے الحادی تفکرات ابھرنے لگے۔ دراصل مغربی تہذیبی کا نسبی تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے۔ ان دونوں تہذیبوں نے

اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام اور اجتماعی فلسفہ اور عقلی و عملی سرمایہ چھوڑا وہی اس کے حصے میں آیا۔ اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو نسل در نسل منتقل کیے ہوئے ہیں۔ یونانی تہذیب مغربی تہذیب کا سب سے پہلا اور واضح نمونہ تھی۔ یہ وہ پہلا تمدن ہے جو خالص حسی فلسفہ حیات کی بنیاد پر قائم ہوا اور یونانی قوم ایک مخصوص نظریہ تمدن کے علمبر دار کی حیثیت سے دنیا پر چھاگئی۔

مسلمانوں کے عروج کے ساتھ اس تمدن کو بھی زوال آیا مگر یہ دنیا سے نیست و نابود نہ ہوا اور اکیسویں صدی میں یہ ایک نئے انداز سے جلوہ گر ہوا اور اس دور میں نشاط ثانیہ اور اصلاح دین کی تحریکیں نمودار ہوئیں جنھوں نے یورپ میں الحادی افکار کو خاصی ہوا دی۔ دراصل جدید دور کا الحاد بہت سے مسائل سے مل کر بنا ہے کیونکہ آج کا دور ٹیکنالوجی کا دور ہے جس نے انسان کی مشکل کو آسان ترین کر دیا ہے۔ گھنٹوں کے فاصلے اب منٹوں میں تبدیل ہونے لگے ہیں۔ آج کا دور سوشل میڈیا کا دور ہے۔ نت نئی ویب سائٹس جو مذہب کے نام سے اپ لوڈ کی جارہی ہیں جس میں اسلامی عقائد کو کمزور کرنے میں دشمنان اسلام کا کافی عمل دخل ہے اور ہر وقت اپنی رائے اور عقیدے کی بنا پر سادہ لوح انسانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ آج فیس بک اور یوٹیوب میں آپ کو بیسیوں ایسے لیکچرز مل جائیں گے جو معاشرے کو گمراہی کی طرف بآسانی دھکیل رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا، موبائل ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کی وسیع دنیا جس نے فاصلوں کو بہت کم کر دیا ہے اور دنیا کے ہر کونے کی رسائی کو انسان کی مٹھی میں تھما کر رکھ دیا ہے۔ جہاں اس ٹیکنالوجی کے فائدے بھی ہیں وہیں پر اس کے نقصانات نے آج کے نوجوان طبقہ کو جو مذہبی اور اخلاقی اقدار سے آزادی دلادی ہے اس کی اندھیر نگری ساری قوم کے سامنے عیاں ہے۔ کس طرح ویب سائٹ کے ذریعے مسلمانوں کے اوپر عقائد، معاشرت اور اسلامی تہذیب و تمدن کی دیواروں کو کھوکھلا کیا جارہا ہے اور وہاں پوری اسلامی قوم اپنی ناکامیوں کے پیش نظر بے بس کھڑی ہے۔ جس کو ہمارے نوجوان ماڈرن کلچر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذیل میں جدید دور کے الحاد و دہریت کی چند تحریکوں پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے:

(۱) لادینیت:

جدید دور میں الحاد و دہریت کو پروان چڑھانے میں جن تحریکوں نے فعال کردار ادا کیا ہے ان میں ایک تحریک "لادینیت" کی تحریک تھی جس نے یورپی معاشرے کو سیکولر بنانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ یہ تحریک نہ صرف مغرب میں بلکہ دنیا کے اکثر و بیشتر خطوں میں اس کا اثر موجود رہا ہے۔ لادینیت کی تعریف میں انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا نے لکھا ہے کہ:

"An ethical system which is founded against on the principles of natural morality and independent of revealed religion or supernaturalism"

"ایک ایسا غیر مذہبی نظام جو قدرتی اخلاقیات اور نازل شدہ مذہب سے آزاد یا روحانی نظام کے اصولوں کے خلاف ہو لادینیت کہلاتا ہے۔"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق:

"لادینیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کی ہدایت اور اس کی عبادت کے معاملے کو ہر شخص کی ذاتی حیثیت تک محدود کر دیا جائے اور انفرادی زندگی کے اس چھوٹے دائرے کے سوا دنیا کے باقی تمام معاملات کو ہم خالص دنیوی نقطہ نظر سے اپنی صوابدید کے مطابق خود جس طرح چاہے طے کریں۔ ان معاملات میں یہ سوال خارج از بحث ہونا چاہیے کہ خدا کیا کہتا ہے اور اس کی ہدایت کیا ہے اور اس کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔"

مندرجہ بالا تعریفات اور اقتباسات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لادینیت ایک ایسی فکر کا نام ہے جو انسان کی اخلاقی و روحانی اقدار کو کمزور کرتی ہے اور انسانی شعور میں اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لادینیت کی تحریک دو اصول درج ذیل ہیں:

(۱) انسانی زندگی کی تمام جدوجہد اور دلچسپی کا مرکز صرف یہ دنیا اور اس کے معاملات ہیں۔ دوسری دنیا، خدا اور آخرت۔ کا اول تو کوئی وجود نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے کوئی سروکار نہیں۔

(۲) انسانی زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کے لیے ہماری عقل کافی ہے۔ رہنمائی کے لیے کسی وحی الٰہی یا آسمانی ضابطہ حیات کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جن پر لادینیت کی عمارت قائم ہے اور گزشتہ چار صدیوں سے یہی فکری رجحان اہل یورپ کے

دل و دماغ پر تسلط جمائے ہوئے ہے۔ دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اہل یورپ نے یہی فکری رجحان ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ آج ساری دنیا کا علمی مزاج اور انداز فکر لادینیت کی طرف مائل ہے۔اس حوالے سے سید محمد قطب لکھتے ہیں:

”آج مغربی زندگی جن مشکلات کی لپیٹ میں ہے وہ انسان اور اللہ کا تعلق منقطع ہونے اور مذہب سے علیحدگی کا نتیجہ ہے۔اس نتیجہ میں جو استحصال لوگوں کا خون چوسنا، سامراج اور سرکشی کی صورت میں پیدا ہو رہا ہے۔ یہ مغربی تہذیب کا معاشی خلل نہیں بلکہ یہ نتیجہ ہے یورپ میں منہمک ہونے کا، اللہ کی ہدایت سے دور ہونے کا۔“

یہ وہی لادینیت کا مرض ہے جس سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آگاہ کر دیا تھا۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ نَسُواْ اللهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“ (الحشر:۱۹)

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں اپنی جانوں سے بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔“

(۲) مادیت پرستی:

مادیت پرستی، الحاد کی وہ شکل ہے جو مذہب کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی ہے۔ اس نے دنیا اور دین میں تفریق پیدا کر دی جس کے سبب انسانی معاشرہ دو طبقات میں تقسیم ہو گیا اور اسی معاشرتی رویے کے زیر اثر انسان کو نتائج بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔بقول بعضے:

”وہ مذہب اور اخلاق کی قیود سے آزاد ہو کر کچھ عرصے کے لیے تو پھولا نہ سمایا لیکن اسے پتہ چل گیا کہ اس کا انجام سوائے پریشانی اور غم کے کچھ نہیں۔اس وقت فلسفہ مادیت کے زیر اثر زندگی گزارنے والا ہر انسان اس قدر پریشانی اور غم کے سوا کچھ نہیں۔اور انسان کی پریشانی اتنی وسعت اختیار کر چکی ہے کہ وہ ذہنی مریض کے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے تیار ہے۔ وہ اپنے طریقۂ زندگی سے تنگ آچکا ہے اس کو اپنی ذات سے اور ماحول سے نفرت ہے۔“

دراصل، مادیت پرستی سے مراد مادی اجسام، دنیاوی عیش وعشرت سے محبت، شکم پروری اور تن آسانی ہے۔ انسان کے دو روپ ہیں ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ اگر انسان ظاہر پرست ہو جائے تو دنیا کے رنگوں میں کھو جاتا ہے اور اگر باطن کا رنگ چڑھ جائے تو دنیا کے عارضی اور پھیکے رنگوں سے بالکل عاری ہو جاتا ہے۔ مادیت پرستی کے غلبہ تلے پلا ہوا انسان اکثر و بیشتر اپنے ذاتی مفاد کے حصول کے لیے ہی تگ و دو کرتا ہے۔ چاہے اس کو جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔ چنانچہ ایک مفکر لکھتا ہے کہ:

”مادیت پرست منکرین خدا کا یہ گروہ بے دیکھے، بے جانے، بے سمجھے اپنے اس وہم میں گرفتار ہے کہ وہ خود بخود ہستی جس پر نظام کائنات کی انتہا ہوتی ہے ان تمام کمالات سے مفلس اور عاری ہے اور اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو پیغمبروں سے جدا کرنے کے لیے اس خود بخود ہستی کا نام بجائے خدا کے مادہ رکھ لیا ہے۔“

ان تمام اقتباسات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ گذشتہ ادوار سے لے کر موجودہ دور کے حالات اور روپے پیسے کی طلب نے کس طرح اخلاقی اقدار کو ہمارے معاشرے میں کھوکھلا کر دیا ہے۔آج ہمارے معاشرے کی صورت حال یہ ہے کہ ہم روپیہ پیسہ، سٹیٹس، گاڑی، بنگلہ اور ان جیسی دوسری چیزوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔لیکن انسانیت اور بھائی چارے کو سرے سے ہی بھول چکے ہیں۔آج جب ہم اپنے معاشرے کو اس دلدل میں پھنسا دیکھتے ہیں تو پشیمانی اور ندامت کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ہمارے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں اور اسلامی تعلیمات جو کہ سادگی کا درس دیتی ہیں اس سے بالکل نابلد ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ایسے تمام امور ہمیں الحاد و دہریت کی طرف مائل کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ جدید تہذیب نے روح سے زیادہ مادہ پر زور دیا اور روحانیت کے مقابلے میں محسوسات کو ترجیح دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افراد اجتماعی مقاصد کے بجائے اپنے ذاتی عیش و آرام اور خود غرضانہ مقاصد کے حصول کو زیادہ اہم سمجھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید انسان جسمانی لذتوں کی تلاش میں گرداں نظر آتا ہے۔مادیت پسندی کے حامی جو کسی خدا اور مذہب کے تصور کو زندگی پر لاگو نہیں کرتے ان کے اخلاقی نظریے کے مطابق اگر انسان کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو صرف جسمانی احتیاجات کی تسکین ہے۔ اس حوالے سے عبدالحمید صدیقی اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

”یورپ کا عام اور متوسط آدمی خواہ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتا ہو یا فاشزم پر، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، جسمانی مشقت کرنے والا ہو یا دماغی

محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب رکھتا ہے اور وہ مادی ترقی کی پرستش ہے اور اس کی غایت حیات صرف یہی ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان، پُر راحت اور عام محاورے کے مطابق قدرت سے آزاد بنا سکے۔الغرض مادیت پرست ایک ایسا زہر تھا جس نے معاشرے میں اپنا اثر اس انداز سے چھوڑا کہ لوگ الحاد و دہریت کی زد میں آ کر خدا کی ذات سے بھی انکار کرنے لگے، مذہب کی گرفت سے آزاد ہوتے چلے گئے اور اپنے خود ساختہ اصولوں پر چلنے لگے۔

(۳) عقلیت پرستی:

Lexicon universal کے مقالہ نگار عقلیت پرستی کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

" In religion, rationalism has been critical of accepted beliefs that cannot be logically justified"

”مذہب میں عقلیت پسندی درحقیقت ان تمام عقائد پر ناقدانہ جرح کرنے کا نام ہے جن کی کوئی منطقی توجیہہ نہ کی جاسکے۔“

Enc.of the world book کے مطابق عقلیت پرستی کی تعریف یہ ہے:

" Rationalism is an outlook that emphasized human reason and its ability to answer basic questions"

یورپ میں عقلیت پسندی کا دور تقریباً سترھویں صدی کے وسط سے شروع ہو کر اٹھارویں صدی کے وسط تک یا ۱۷۷۵ء تک چلتا ہے۔معاشرتی سطح پر الحاد و دہریت کو تقویت دینے میں عقلیت پرستی کا تاریخی اعتبار سے کافی عمل دخل ہے۔چونکہ ملحدین کا ہدف عقلی تنقید کی بنیاد پر قائم ہے۔لہٰذا اس کے تاریخی پہلو کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک مفکر لکھتا ہے کہ:

” عقلیت پرستی کی داستان یہ ہے کہ سترہویں صدی کے وسط تک لوگ یہ طے کر چکے تھے کہ انسان کی جدوجہد کا میدان یہ مادی کائنات ہے اور انسان کا مقصد حیات تسخیر فطرت یا تسخیر کائنات ہونا چاہیے۔لیکن مطالعہ فطرت کا طریقہ بھی مقرر کر دیا تھا۔اب سوال یہ تھا کہ انسانی صلاحیتوں میں سے کون سی صلاحیت ایسی ہے جو تسخیر کائنات کے لیے زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔اس دور نے یہ فیصلہ کیا کہ انسان صرف عقل (یعنی عقل جزوی اور عقل معاش) پر بھروسہ کر سکتا ہے۔“

اس اقتباس کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ نظریہ عقل صرف حواس خمسہ کے گرد گھومتا ہے۔جب کہ الہام و القاء کا تعلق انسان کے باطنی مشاہدات سے ہے۔عقلیت پرست، نظریہ جمالیات اور مذہب وغیرہ کے قبول و رد کا واحد معیار عقل ہی کو تسلیم کرتا ہے۔ان تمام نظریات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ الحاد کس انداز سے معاشرے میں اپنے قدم جماتا ہے اور اخلاقی اقدار کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔الغرض عقل پرستی کی متعصبانہ سوچ انسان کو الحاد و دہریت کے مزید قریب لے گئی۔عالم افکار میں عقل کی بالادستی نے مغربی انسان کو کیا دیا؟ اشرف المخلوقات کے درجہ سے گرا کر انسان کو حیوان بنا دیا۔مذہب اور اخلاق کے لنگر سے کٹ کر یہ جہاز مادیت کی تند و تیز موجوں کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہا ہے۔سمندر میں اس کی حیثیت ایک بے بس تنکے سے زیادہ نہیں جو وقت کے دھارے پر چاروناچار بہا جا رہا ہے، نہ منزل کا تعین ہے نہ خدا کا ساتھ ہے، نہ کارواں کی رفاقت حاصل ہے۔عقل کو خود مختار بنا دینا اور وحی الٰہی کی رہنمائی سے محروم کر دینا، انسانیت کی تاریخ کا بھیانک المیہ ہے۔اسی طرح ہمارے معاشرے میں کئی ایسے نظریات نے بھی جنم لیا جس کا مقصد انسان کو بے حسی اور خود غرضی میں مبتلا کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۴) قومیت:

دور جدید کے چند نظریات جو بحیثیت مجموعی فلسفہ حیات کی شکل میں اس انداز سے فروغ پائے کہ علمی و عملی شعبوں میں انہیں کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ان کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلے گا کہ بعض کے تحت الشعور اور بعض میں کھلے بندوں کس قدر لامذہبی ذہنیت کی رونمائی ہے۔انھیں نظریات میں سے ایک نظریہ، نظریہ قومیت و وطنیت ہے۔یہ نظریہ میکولی کی طرف منسوب ہے۔اصل میں یہ رومی تھا جو دیگر علوم وفنون کے ساتھ روم سے برآمد کیا گیا تھا لیکن چونکہ نئے دور میں میکولی نے اسے متعارف کروایا تو اس بنا پر اس کی طرف یہ بات منسوب ہوگئی۔چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

” سلطنت کے قیام و بقاء کے لیے رئیس کو اکثر اوقات معاہدوں، نیک نیتی، انسانیت اور مذہب کے خلاف عمل کرنا چاہیے۔“

مذہب کے خلاء کو پُر کرنے کے لیے مغربی

مفکرین نے وطن پرستی اور قوم پرستی کے جذبہ کو پُر کیا جو قلبی وابستگی عوام کو مذہب سے تھی وہی تعلق خاطر عوام کو وطن اور قومیت سے پیدا ہوگیا۔ اس طرح معلوم ہوا کہ قوم پرستی کی اصل روح، خود غرضی ہے۔ وطن پرستی کی فطرت میں انتشار کی قوتیں پنہاں تفریق در تفریق کا عمل وطنی قومیت کا خاصہ ہے۔ بقول بعضے:

"مغرب کی لادینی ریاست ایک خاص مذہب کی پیداوار ہے۔ وہاں پاپائی نظام نے جو شکل اختیار کر لی تھی اور مذہب کے نام پر بادشاہوں سے گٹھ جوڑ کے ذریعہ جن مظالم کو سند جواز دی گئی انھوں نے ایک ردعمل پیدا کیا۔ عیسائیت کی مخالفت میں اتنی بے اعتدالی پیدا ہوئی کہ خود مذہب ہی کے خلاف بغاوت کر دی گئی اور اس بغاوت کا سیاسی مظہر لادینی ریاست تھی۔"

(۵) اشتمالیت:

جنگ عظیم دوم کے بعد ۱۹۴۸ء میں اس نظریہ کو پیش کیا گیا اور بعد ازاں اس نظریہ کو کافی تقویت ملی۔ اس تحریک کے بانیوں میں لینن اور کارل مارکس سرفہرست تھے۔ اور یہ بنیادی طور پر سوشلزم کی آخری حد تھی۔ چنانچہ ایک مفکر لکھتا ہے کہ:

"اشتمالیت کے مذہب میں کارل مارکس کو خدا اور اس کے دست راست فریڈرک اینگلز کو پیغمبر کا درجہ حاصل ہے۔"

الغرض کمیونزم وہ انداز فکر ہے جس میں خدا کے وجود کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ اسی طرح ایک کمیونسٹ کس طرح مذہب اور اخلاقی اقدار کا پاس رکھ سکتا ہے لہٰذا کمیونزم کے خیالات نے الحاد و دہریت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۶) سماجیت:

سوشلزم یا سماجیت سے مراد وہ نظام معیشت ہے جس میں ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے کا کام مرکزی ادارہ کے سپرد ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اس دور کے مادی نظریات بیشتر مغربی تہذیب کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو مادہ پرستی کی سب سے بڑی تہذیب ہے۔ اشتراکیت کا فتنہ بھی اسی تہذیب کی پیداوار ہے اور آج کے دور میں پیدا ہونے والے مسائل بنیادی طور پر اسی فتنہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ سماجیت ایک خالص مادہ پرستانہ نظریہ ہے اور اس کے نزدیک حقیقت بس وہی کچھ ہے جس کو ہم اپنے حواس خمسہ کے ذریعے معلوم کر سکیں۔ جو حقائق ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہیں ان کے متعلق انسان کو کسی قسم کا تردد کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ مختلف مفکرین نے اشتراکیت کی تعریف اپنے انداز سے کی ہے جن میں اینگلز، کارل مارکس، لینن سرفہرست ہیں۔ چنانچہ اینگلز نے لکھا تھا:

"مادہ ہی زندگی کی واحد حقیقت ہے۔"

اسی طرح کارل مارکس نے تصورِ خدا کے بارے میں یہ لکھا کہ:

"خدا کا تصور ایک واہمہ ہے اور اس عالم کی ارتقائی وجود میں آج کے بادشاہ یا خدا کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔"

لینن وہ شخص تھا جس نے اپنے دور میں لبرل ازم اور اس فکر سے منسلک افکار کو معاشرے میں ہوا دی اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ اگر ہم اس کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں ایک بات بالکل واضح ہوگی جس میں وہ مذہب کے معاملے میں تنقیدی رویہ کو بڑھاوا دیتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"ہر سوشلسٹ اصولی طور پر دہریہ ہوتا ہے۔"

سوشلزم کے مفسر اول نے اخلاق، عقائد اور مذہب کو اقتصادی ناہمواری کا نتیجہ قرار دیا ہے وہ کہتا ہے کہ:

"مذہب جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیق ہے چونکہ یہ نظام آہستہ آہستہ مر رہا ہے اس لیے مذہب بھی ختم ہو رہا ہے۔"

اب اگر اس طرح کے فلسفیانہ افکار معاشرے میں اجاگر ہوں گے تو عوام تو خود بخود انتشار کی طرف مائل ہوگی اور یہ فکر الحاد اور دہریت کی طرف مائل کرے گی۔ جس میں مذہبی نظریات پامال ہوں گے:

"خدا کی ہستی کے معاملے میں ہمارا کہنا ہے کہ ہم خدا پر یقین نہیں رکھتے اور ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مذہبی پیشواؤں، زمینداروں اور سرمایہ داروں نے خدا کا تصور پیدا کیا ہے تاکہ وہ بطور لوٹنے کھسوٹنے کے اپنے مفاد کا تحفظ کر سکیں۔"

جب اشتراکیت کو ان اصولوں پر جانچا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ نظریہ لامذہبی دور کے گذشتہ تمام نظریات سے ترقی یافتہ شکل ہے۔ اشتراکیت کا مشہور نقاد آر۔ این کریو ہنٹ لکھتا ہے:

"اشتراکیت ان نظریات کے مجموعہ کا نام ہے جنھوں نے ہماری زندگی کے اس خلاء کو پُر کیا ہے جسے منظم مذہب کے انہدام نے پیدا کیا تھا

اور اس نظام فکر و عمل کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے تو ایک دوسرے ہمہ گیر نظام حیات ہی سے کیا جاسکتا ہے جو کچھ دوسرے اصولوں سے علمبر دار ہو۔"

الغرض یہ کہ سماجیت پسندوں کے اقوال پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے تحت انسان اور کائنات کو ایک خاص زاویہ نگاہ سے دیکھا گیا ہے جس میں خدا، روح، مذہب اور اخلاق وغیرہ کا انسانی اقدار میں کوئی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ یہ سب معاشی حالات کے تابع انسان کے وضع کردہ ہیں۔ ان تمام ابحاث اور نظریات سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاشرے میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو آزادانہ اظہار خیال کے لیے شدت کا جذبہ رکھتے ہیں۔

(۷) جدید سائنسی دور:

پچھلی صدیوں میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سائنس اور مذہب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور لوگوں نے اس نظریہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سائنسی علوم میں دلچسپی لینا چھوڑ دی۔ لیکن ایک بات ہمیں بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سائنسی علوم میں ترقی کا سہرا مسلمان سائنس دانوں کو ہی جاتا ہے۔ جنھوں نے مختلف شعبہ جات میں ترقی کر کے پوری دنیا کو حیرت میں مبتلا کر دیا اور یہ سب قرآن مجید کی بدولت تھا۔ لیکن جب انھوں نے قرآن سے ناطہ توڑا تو وہی مسلمان زوال کا شکار ہو گئے، چنانچہ کچھ مسلم مفکرین ایسے بھی پیدا ہوئے جنھوں نے سائنسی علوم حاصل کرنے پر کفر کے فتوے بھی لگائے۔ لیکن جوں جوں انسان نے شعور کے میدان میں قدم رکھا تب اس کو سائنس کی اہمیت کے بارے میں پتا چلا کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے سے اتنے قریب ہیں جتنا کہ روح اور بدن کا آپس میں امتزاج ہے۔ لہٰذا میرا استدلال یہ ہے کہ جن لوگوں نے سائنسی علوم کی طرف عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا انھوں نے دنیائے اسلام کو پستی کی طرف دھکیلا۔ لہٰذا عوام الناس میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جن کی تحاریر سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر منفی رویہ مسلم وغیر مسلم علماء و فلاسفہ کی جانب سے تھا۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آج کے انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکانے میں جدید سائنس کا بڑا کردار رہا ہے۔ سائنسی علوم کے فروغ کے ساتھ ساتھ تشخیص خداوندی کے نظریے پر کڑی نکتہ چینی ہوئی اور اہل مغرب نے سائنس کو الوہیت کے مقام پر بیٹھا دیا۔

آج کا دور الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے۔ جس کے ذریعے سے انٹرنیٹ کے استعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی ویب سائٹس تشکیل دی جا رہی ہیں جو عقائد اسلامیہ میں بے شمار قسم کے خرافات پیدا کر رہی ہیں اور اسلامی عقائد میں ردو بدل کرنے کی بھر پور کوشش کی جا رہی ہے۔ دوسرا فحش مواد کا بے دریغ استعمال کیا جا رہا ہے جس سے ہماری آنے والی نسل اخلاقی طور پر زوال کا شکار ہو رہی ہے۔ اور یہ وبال صرف مغربی ممالک میں ہی نہیں بلکہ اسلامی ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ لہٰذا اس کام سے چھٹکارا پانے کے لیے ہمیں بنیادی طور پر دین اسلام کو اپنی زندگی میں نافذ العمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس موذی وبا سے چھٹکارا پایا جاسکے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب تک شریعت محمدی کو اپنی زندگی میں لاگو نہ کیا جائے۔

خلاصہ کلام:

الحاد کے لغوی معنی مذہب سے پھرنا، دین میں طعن کرنا اور اصطلاحی معنی اللہ تعالیٰ کے وجود و ہستی کا انکار ہے۔ قرآن مجید میں "الحاد" کا لفظ کجروی، جائے پناہ اور انحراف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں دہریت کا لفظ کئی آیات میں مذکور ہے جس میں دہر کا معنی زمانہ کے مترادفات میں استعمال ہوا ہے۔ چونکہ زمانہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ دہر کے معنی یہ ہیں کہ جو خیر و شر اور خوشی و ناخوشی زمانہ کی طرف منسوب ہوتی ہے اس کا فاعل چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا زمانہ کو گالی دینا، اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

علم الکلام کے ماہرین نے زندیق کے لغوی معنی بے دین ہونا یا باطن میں کفر اور ظاہر میں ایمان ہونے کے کیا ہے۔

اصطلاح میں زندیق سے مراد ایسا شخص جو زمانہ کی بقاء کا قائل ہو اور بعض کے نزدیک زندیق ثنویت کی ایک شاخ ہے۔ جدید دور میں الحاد مختلف شکلوں میں باقی ہے اور الحادی تحریکوں کے کارکن ساری دنیا میں سرگرم عمل ہیں۔ آگاہی اور اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے فقدان کے سبب ہزاروں نوجوان الحادی افکار کی زد میں آرہے ہیں لہٰذا مسلمان دانشوروں کا یہ فریضہ ہے کہ الحاد کی مختلف شکلوں کو برملا بیان کریں، ان کا فکری جواب دیں اور دین حق کے دفاع اور غلبہ میں اپنا کردار پیش کریں۔

●●●

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں

احمد اسامہ جعفری

ظالم حکومتیں ہمیشہ عوام کو خوف میں مبتلا رکھنے کے لیے نئے نئے ہتھکنڈوں کے ساتھ آتی رہتی ہیں۔ بھارت میں حکومت کے مظالم کا مشاہدہ اس وقت ہر باشعور شہری کر رہا ہے۔ اسی سلسلے میں اس سال ظلم کی ایک نئی علامت منظر عام پر آئی ہے۔ مشین اور ٹکنالوجی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا استعمال اس کے اچھے یا برے انداز میں اسے پیش کرتا ہے۔ زمانہ دراز سے کسی ملبے کے ڈھیر کو اٹھانے، کسی بوسیدہ عمارت کو فالفور منہدم کرنے کے لئے یا کسی جگہ تیزی سے گڈھا بنانے کے لئے جس مشین کا استعمال ہوتا تھا، اسے بلڈوزر کہتے تھے۔ تب یہ بلڈوزر بہت کام کا اور بہت مددگار ساتھی تھا۔ لیکن اس کی اس شبیہ پر شاید وہ لوگ بالکل یقین نہ کریں جو کچھ روز قبل تک کھرگون میں یا جہانگیرپوری میں رہتے تھے۔ ظاہری اور جسمانی طور پر اب بھی وہ لوگ وہیں رہ رہے ہوں گے لیکن ان کے دل اور جذبات اب شاید اس شہر کی فضا میں آزادانہ پرواز نہ کرتے ہوں۔ ان لوگوں کے لئے یہ بلڈوزر صرف نقصان، ظلم اور تباہ و برباد کرنے کا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ اس کے مالکان نے ان لوگوں کو دہشت زدہ کر دیا۔ کسی کا گھر چھین لیا گیا اور کسی کا کام اجاڑ دیا گیا۔ بہرحال اس میں بلڈوزر کو کیا دوش دیں۔ اس کی تو فطرت ہی توڑ پھوڑ ہے۔ کبھی اس توڑ پھوڑ سے سب کو فائدہ ہوتا ہوگا اور کسی انداز کی تعمیر میں وہ معاون ہوتا ہوگا۔ فی الحال وہ کچھ کے فائدہ کا ذریعہ اور دہشت اور ظلم پھیلانے میں معاون و مددگار ہے۔ خدا کرے اس کو اپنے اس غلط استعمال سے نجات حاصل ہو۔

یہ بات بھی زور و شور سے کہی جاتی رہی ہے کہ نقصان اس کا ہوا جس نے غلط تعمیرات کی تھیں۔ اگر صحیح تعمیرات کی گئی ہوتیں تو یہ نقصان کیونکر ہوتا؟ حالانکہ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر یہ لوگ (جنہوں نے ان کے مطابق غلط تعمیرات کی تھیں)، صحیح تعمیرات کرتے اور پھر وہ پتھر چلاتے اور دیش ورودھی نعرے بازی کرتے تو پھر حکومت ان کو بلڈوزر کا خوف کس بابت دلاتی؟ چونکہ بقول حکومتی عہدیداروں کے انہوں نے پتھر چلائے اور دیش ورودھی باتیں کیں اس لئے بلڈوزر تو آئے گا۔ جس انداز سے مختلف ریاستوں کے مختلف وزراء مع وزرائے اعلیٰ اس بلڈوزر کا اشتہار اپنی ریلی جلسوں میں کرتے آئے ہیں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس بات پر کامل اعتماد و یقین ہے کہ پتھر چلانے والے کا گھر لازمی طور پر تخریب کاری ہے اور وہ بلڈوزر سے منہدم ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ بلڈوزر چلنے سے ان کو کس بات کی سزا دی گئی؟ آیا اس بات کی کہ انہوں نے پتھر چلائے یا اس بات کی کہ انہوں نے سرکاری اراضی پر تعمیرات کیں؟ بہرحال ان سوالات پر ان لوگوں کا سر شرم سے ضرور جھکنا چاہئے جنہیں دنیا میڈیا یا اینکر پرسن کہتی ہے یا وہ لوگ جنہیں حکومت کی ہر بات کو بند آنکھوں سے آمنا صدقنا کہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ البتہ اس شرم سے سر جھکانے کے لئے بھی ان کے اندر کم از کم ذرہ برابر غیرت کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو وہ شام کو پھر عوام الناس کے سامنے وہی پرانی چاپلوسی کرتے نظر آئیں گے۔

خیر یہ تو ان کی بات ہے جو موجودہ ہندوستانی

حالات کے تناظر میں فسطائی طاقتوں کی نمائندگی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اب کچھ باتیں ایمان داری کی کرتے ہیں۔ جو رویہ اس پوری بلڈوزر مہم میں نظر آیا ہے، وہ خود اس بات پر دلیل دے رہا ہے کہ یہ اسی انداز کی ایک کوشش ہے جس کی نظیر قرآن کریم نے بنی اسرائیل اور فرعون اور اس کی قوم کے معاملہ میں پیش کی ہے۔ چنانچہ سورہ قصص میں ابتدائی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی۔ اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا۔ اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا۔''

کسی بھی قوم کو غلام بنانے کے لئے زنجیروں، بیڑیوں اور قیدخانوں کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی جتنی اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے ذہن وقلب میں یہ بات پیوست کر دی جائے کہ تم ہمارے غلام ہو اور ہم جو چاہیں تمہارے ساتھ کر سکتے ہیں اور تم آہ و بکا کا بھی حق نہیں رکھتے۔ یہ ایک ایسا مؤثر ذریعہ ہے جس سے اقلیت بھی ایک اکثریتی طبقہ کو غلام بنا سکتی ہے، تو پھر یہ تو بہت آسان ہے کہ ایک اکثریت حکومتی وثوق کے ذریعہ سے ایک اقلیت کو غلامی پر آمادہ کر لے۔ ایسے میں یہ آمادگی جلدی اور بہ آسانی ہو جاتی ہے۔

گرچہ موجودہ دور میں قانون کی بالادستی اور قانون کا راج ایک افسانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور یہ تمام ادارے جن پر خصوصاً اہل ایمان کا ایمان قائم تھا کہ وہ انہیں انصاف دیں گے اور ان کے حقوق کی حفاظت کریں گے، انہوں نے اپنے بندوں سے خیانت کی جگ ظاہر کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی صرف اس اتمام حجت کو کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں، کچھ ان قوانین اور مروجہ دستوری طریقوں کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ جس چیز کی بالادستی کی بات ہو رہی ہے وہ حقیقت میں نافذ بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں؟

ملکی آئین کی دفعہ ۱۹ میں شہری حقوق کے تحت ہندوستانی شہریوں کو چھ آزادیوں کی ضمانت دی گئی ہیں، جو کہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) آزادی اظہار رائے

(۲) بغیر ہتھیار کے اجتماع کی آزادی

(۳) آزادیٔ تنظیم

(۴) بھارت میں سفر کی آزادی

(۵) بھارت کے کسی بھی خطے میں سکونت کی آزادی

(۶) پیشہ و کاروبار یا تجارت کی آزادی

یہ تمام آزادیاں دفعہ ۱۹ میں مذکور ہیں اور کچھ مناسب پابندیوں کے تابع ہیں، جنہیں ریاست کی جانب سے ان پر نافذ کیا جا سکتا ہے۔ آزادی کی جس قسم کو محدود کرنا مقصود ہو اس کے مطابق پابندیوں کو نافذ کرنے کی بنیادیں مختلف ہوتی ہیں، ان میں قومی سلامتی، عوامی نظم ونسق، شرافت اور اخلاقیات، توہین عدالت، جرائم پر اکسانا اور بدنامی شامل ہیں۔ عوامی مفادات کی خاطر ریاست کو کسی تجارت، صنعت یا خدمت کو قومیانے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔

۱۹۸۵ء میں ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ نے نوٹ دیا تھا کہ روزی روٹی کا حق زندگی کے حق کا حصہ ہے۔ عدالت عظمیٰ نے اس فیصلے میں یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ بمبئی میونسپل کارپوریشن ایکٹ کے تحت، جب کہ کمشنر کو نوٹس کے بغیر کارروائی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، نوٹس کے مناسب طریقہ کار پر عمل کیا جانا چاہیے سوائے غیر معمولی حالات کے۔

''یہ کمشنر کو، مناسب معاملات میں، ان افراد کو سابقہ نوٹس دینے کے قابل بناتا ہے جن کے مجوزہ کارروائی سے متاثر ہونے کا امکان ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں پڑھا جا سکتا ہے کہ، متعلقہ حالات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے ایک دی گئی صورت حال میں، کمشنر کو سابقہ نوٹس جاری کیے بغیر تجاوزات کے خاتمے کا سبب بننا چاہیے۔''

اس کے بعد ۱۹۸۹ء میں ایک مقدمہ کی سماعت میں عدالتِ عظمیٰ نے یہ نوٹ بھی دیا کہ پھٹ پاتھ پر پھیری لگانا بھی کاروبار کی اس اجازت کے زمرے میں آتا ہے جس کی اجازت دستور کی دفعہ ۱۹ میں دی گئی ہے۔ اپنے فیصلے میں میونسپلٹی کو پنجاب میونسپل قانون ۱۹۱۱ اور دہلی میونسپل کارپوریشن قانون ۱۹۵۷ کی دفعات کے ضمن میں یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اگر کسی جگہ قابل عمل اور آسان سمجھے تو پھیری کی اجازت دے سکتی ہے۔ اسی فیصلے کی روشنی میں این ڈی ایم سی نے دہلی میں تہ بازاری کے لائسنس جاری کرنے کے لئے قوانین اور ضابطے ترتیب دئے۔

۱۹۹۵ء میں سپریم کورٹ نے ایک فیصلے میں لکھا کہ اگر تجاوزات کرتے ہوئے غیر مجازی تعمیرات کی جاتی ہیں تو اسے گرانے کے نوٹس

جاری کرنے کے بعد، اگر تجاوز کنندہ اسے مقررہ وقت کے اندر نہیں ہٹاتا ہے تو ایکٹ کی دفعات کی خلاف ورزی پر قانونی چارہ جوئی کے علاوہ میونسپل کمیٹی غیر مجازی تجاوزات اور تعمیرات کو ہٹانے اور اس کے اخراجات اس سے وصول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

۱۹۹۶ء میں سپریم کورٹ نے ایک اور فیصلے میں یہ بات لکھی کہ:

''اگر تجاوزات کا تعلق حالیہ وقت سے ہے تو فطری انصاف کے اصول کے طریقۂ کار پر عمل کرنے کی ضرورت اس بات سے واضح ہو سکتی ہے کہ کسی کو بھی عوامی املاک پر قبضہ کرنے اور سماعت کے موقع کے طریقۂ کار کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے جو کہ مشکل اور وقت طلب ہوگا۔''

تاہم یہ بھی لکھا کہ:

''اگر کارپوریشن کچھ ایسی وجوہات کی بنا پر تجاوزات کرنے والوں کو طویل عرصے تک آباد کرنے کی اجازت دیتی ہے جو صرف ان کو معلوم ہوتی ہیں، اور اس کی وجوہات نظر نہیں آتی ہیں، تو ضروری ہے کہ ہٹانے کے لیے ایک معقول نوٹس، یعنی دو ہفتے یا ۱۰ دن کا وقت دیا جائے۔اور تجاوزات کرنے والوں کو ذاتی طور پر یا جائیداد پر نوٹس چسپاں کرنا ضروری ہے۔اگر مقررہ وقت کے اندر تجاوزات کو نہیں ہٹایا گیا تو متعلقہ اتھارٹی اسے ہٹانے کے لیے آزاد ہوگی۔''

اگست ۲۰۲۰ء میں سپریم کورٹ نے ریلوے کی اراضی پر سے ۴۸۰۰۰ جھگیوں کو ہٹانے کا حکم دیا بشرطیکہ ایسا کرنے سے قبل وہاں کے رہنے والوں کو آباد کاری کا متبادل لازماً فراہم کیا جائے۔

اسی انداز میں مختلف ریاستوں میں اپنے اپنے قوانین بھی ہیں لیکن سب میں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ وہ قوانین ہیں اور ان قوانین کے نفاذ کا ایک طریقہ کار ہے جس پر عمل پیرا ہونا اور عمل کرانا حکومتی اداروں کی ذمہ داری ہے۔ لیکن حالیہ واقعات جیسے کہ گجرات، مدھیہ پردیش، دہلی وغیرہ میں پیش آئے، ان میں اس طریقہ کار کو نافذ کرنے میں متعلقہ طریقہ کار کو نہیں اپنایا گیا۔

ویسے ہمارے ملک عزیز میں ایسے اتفاقات بھی ہوتے ہیں کہ شاید غیر دانستہ طور پر ان کاروائیوں کا نشانہ اکثریت نہیں بنتی بلکہ اقلیت ہی بنتی ہے۔کیا آخر متجاوز اراضی ایک مخصوص اقلیتی طبقہ کی ہی ہوسکتی ہے؟ جسے عام زبان میں ''ملّے'' کہا جاتا ہے۔ دہلی جہانگیر پوری میں بھی بلڈوزر متجاوز اراضیات کو توڑتا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک سی پی ایم کی ایک لیڈر آتی ہیں اور ان کے سامنے یہ بلڈوزر رک جاتا ہے۔اتفاق سے منہدم ہونے کے لئے اگلا نمبر جس اراضی کا تھا وہ ایک اکثریتی طبقہ کی عبادت گاہ یعنی مندر تھی۔خیر اس کی دلیل یہ دی گئی کہ اس لیڈر نے آکر عدالتِ عظمیٰ کے حکم امتناعی کی دہائی دی۔حالانکہ یہ دہائی ان مسلمانوں نے بھی دی تھی جس کی اراضی کو بلڈوزر تہس نہس کرتا ہوا آرہا تھا بشمول ایک مسجد کے باہری دروازہ کے۔ یہاں صرف ایک سوال سوچنا چاہئے کہ کیا یہ بلڈوزر ان محترمہ لیڈر سی پی ایم کے سامنے آنے پر تب بھی رک سکتا تھا کہ اگر منہدم ہونے کی فہرست میں اگلا نمبر کسی مسجد کا ہوتا؟ ہم امید کرتے ہیں کہ شاید ہاں تب بھی رک جاتا۔خیر ویسے ہماری امیدیں پوری کہاں ہو رہی ہیں!!!

بہر کیف یہ باتیں صرف اس لئے لکھی گئی ہیں کہ ہم رائج الوقت آئین وقوانین کی روشنی میں دیکھیں اور سمجھیں کہ حکومتیں اور حکومتی ادارے جن سے اس آئین وقانون کے نفاذ اور بالادستی کی امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، ان کا کردار موجودہ حالات میں کیسا رہا ہے۔

ایک وہ دور تھا جب غیر سرکاری طور پر اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم روا رکھا جاتا تھا، بلکہ ایک اکثریتی طبقہ جس کو دلت کہتے ہیں اس کے ساتھ بھی ظلم ہوتا تھا۔اس میں یہ جماعتیں اور ان کے افراد ملوث ہوتے تھے تاہم حکومتیں اور سرکاری مشینری ان معاملات میں مظلوم کے بظاہر ہمدرد اور مددگار دکھائی پڑتے تھے اور قانون کے سامنے مجرم کی جوابدہی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔لیکن ملک عزیز میں یہ تبدیلی گزشتہ چند سالوں میں واقع ہوئی کہ ظلم وستم پوری ڈھٹائی کے ساتھ صاحب مسند اور ان کی مکمل حکومتی مشینری اور ادارے سب مل کر انجام دے رہے ہیں۔اور خود اس قانون کی بھی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں کہ جس کی شپتھ لیکر یہ حکومتیں اور عہدے سنبھالے جاتے ہیں۔خیر مظلوم کے ہاتھ جب ہر طرف سے پکڑ لئے جائیں اور وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر ہو جائے تو بھی اس کو اللہ نے ایک سہارا دیا ہے۔وہ سہارا ہے خود اللہ کا سہارا۔ایک مومن اور مسلمان کے لئے صحیح معنوں میں اس کے علاوہ کوئی سہارا نہیں۔اور حقیقت میں دنیا کی کوئی شے نہیں جس پر کلی بھروسہ رکھنا ایک مسلمان اور

مومن کا شیوہ ہونا چاہئے۔علامہ اقبالؒ نے بہت پہلے یہ بات سمجھائی تھی کہ:

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

خیر یہ مظلوم کا ایسا سہارا ہے کہ اسے یقین رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا کبھی نہیں چھوٹ سکتا۔ اور اس اللہ تک مظلوم کی آہ و بکا ضرور سنی جاتی ہے۔ احادیث میں اس کی دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مظلوم کی بددعا سے بچو! بلاشبہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہوتی۔''

مسند احمد کی ایک روایت میں حضرت انسؓ کے حوالے سے عبداللہ اسدی کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالکؓ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ حضرت محمد رسول اللہ سے (لوگوں کو برملا نصیحت کرتے) سنا۔۔لوگو! مظلوم کی بددعا سے بچو! اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ اس کی آہ و بدُعا اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے درمیان میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہوتی۔''

بقول غالبؔ:

دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

خیر یہ تو مظلوموں کی بددعا کا معاملہ ہے کہ وہ کب سنی جاتی ہیں اور کب اور کس طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچاتا ہے۔ دنیا میں بھی ان شاء اللہ ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہی ہے۔ کاش انہیں سمجھ آتا کہ ایک گھر بنانے کا آخر مطلب کیا ہے۔ شاید اقتدار اور قوت کا نشہ اترے تو سمجھ آجائے۔ بشیر بدرؔ صاحب سے معذرت کے ساتھ ان کے شعر میں ایک لفظ ''جلانے'' کو تبدیل کر کے پیش کرتا ہوں:

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں اک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں ''گرانے'' میں

●●●

عہد جدید کا فتنہ

حضرات!

اس زمانہ کا فتنہ اور چیلنج کیا ہے؟ اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان و ادب اور رسم الخط اور اس کے پورے ورثہ سے الگ کر دیا جائے، اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم و تقریبات کا (جو بعض مذاہب کا کل سرمایہ اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) مثلاً: شادی اور غمی میں کیا ہونا چاہیے، مُردے کو کسی طرح آخری مرحلہ سے گزارا جائے وغیرہ وغیرہ۔ بس اسلام انہیں مذہبی و معاشرتی رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جائے۔ میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو؟ لیکن پھر بھی اندازہ ہے کہ شاید ابھی یہ مرحلہ دور ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، آپ کو کوئی خاص عقیدہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے، آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ لیکن وہ مرحلہ ضرور آئے گا کہ مسلمانوں سے اشارے کنایہ سے اور کبھی کبھی صاف کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا و رغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کریں جو ان میں ایک الگ ملّت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ وہ خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جُداگانہ تہذیب کے حامل نہیں ہیں۔ وہ خود اپنے عائلی قانون (پرسنل لا) میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کریں اور اپنے لیے وہی یکساں قانون پسند کریں جو سارے ملک کے لیے نافذ ہو۔ وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند و ضرورت کے مطابق قائم کئے تھے حکومت کی تحویل اور انتظام میں دے دیں اور ان کے نظم و نسق سے خود ہی دستبردار ہو جائیں۔

(ابوالحسن علی ندویؒ)

●●●

کیا ہم آزاد ہیں؟

فرخ عدنان امراوتی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار پیدا کیا ہے اور اسے اشرف المخلوقات کا شرف عطا کر کے اسے عقل سلیم سے نوازا ہے تا کہ اسے جانچے' پرکھے اور اسکا امتحان لے کہ وہ کیسا طرز عمل اپناتا ہے. انسان اپنی اس مختصر سی دنیاوی زندگی میں رہ کر اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے' اسکی بتائی ہوئی حدوں کا لحاظ کر کے اس کے بتائے گئے طریقوں پر عمل کرتا ہے یا پھر اپنی من مانی کرتا ہے اور اپنی تمام زندگی اسے ناراض کرنے اور اسکی نافرمانی کرنے میں گزار دیتا ہے. یہ آزادی اللہ ربّ العزت نے ہمیں دے رکھی ہے اور بحیثیت مسلمان ہمیں ان تمام باتوں کا علم ہے. لیکن آج کے دور میں اور ہم جہاں بستے ہیں اس ملک اور اس زمین کے حالات کا مطالعہ کر کے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ جو تمام آزادی اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان اور ہر ایک انسان کو دے رکھی ہے کیا وہ تمام کی تمام اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو بھی ملک کی حکومت' قانون' حالات اور ماحول عطا کرتے ہیں؟ آپ اپنے ضمیر سے اور اپنے گریبان میں جھانک کر یہ جاننے کی کوشش کیجئے کہ اس ملک میں بسنے والا مسلمان آزاد ہے اور کیا ہم آزاد ہیں؟

یہ صرف آج ہی کے دور کی بات نہیں ہے' بلکہ مسلمانوں پر یہ زیادتی اور انکی آزادی کو چھیننے کا عمل آہستہ آہستہ پچھلے 70 سالوں سے جاری و ساری ہے لیکن ہم مسلمان ہیں کہ حکومت' قانون اور سیکیولرزم کے بھروسے پر اسے بس ٹالتے ہی جا رہے ہیں اور اسکے خلاف کچھ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہماری عقلِ سلیم کو کسی نے ہائی جیک کر لیا ہے اور ہم بذات خود اس طریقے پر سوچنا ہی نہیں چاہتے. آپ تاریخ کے اوراق پلٹیں اور پچھلے 70 سالوں کا معائنہ کریں تو یہ بات بخوبی آپ کے ذہن میں آئے گی اور آپ کے دماغ کی بتی جلے گی کہ حقیقتاً ایسا ہوتا چلا آیا ہے لیکن مسلمانوں نے اسے اپنا ذاتی مسئلہ نہ سمجھتے ہوئے اسے قوم کا مسئلہ سمجھ لیا ہے جس کے حل کرنے کی ذمہ داری صرف علماء کی ہے۔

مسلمانوں میں سے کچھ فعال عناصر ایسے بھی ہیں جنھوں نے یہ سوچا کہ جب تک اس دیش میں سیکولرزم رہے گا تب تک ہم مسلمان یہاں چین سے زندگی بسر کر سکیں گے لیکن ان لوگوں کا سیکولرزم پر یہ ایمان بھی کچھ کام نہیں آیا اور دھیرے دھیرے اسکی آڑ میں مسلمانوں کے حقوق چھنتے چلے گئے. اسی کے ساتھ ساتھ غیر مسلم لوگوں کی کچھ قیادتوں نے بھی کچھ ایسا رول پلے کیا کہ انھوں نے انکی ہی قوم کو مسلم مخالف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور دھیرے دھیرے لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز ہو کر آج یہ نوبت آئی ہے کہ ان لوگوں کو مسلمان تو بہت دور ان کے ناموں تک سے نفرت ہونے لگی ہے اور وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس دیش کو مسلم مکت بنا کر انکی اپنی آئیڈیولوجی کو قائم و دائم کیا جائے' لیکن وہ یہ بھول رہے ہیں یا انھوں

نے تاریخ کے اوراق الٹے ہی نہیں جہاں اسپین کو مسلم دشمنی اتنی بھاری پڑی کہ کچھ ہی وقت میں وہاں تباہی و بربادی چھاگئی۔

آزادی کے بعد سے اب تک کی تاریخ کا آپ جائزہ لیں اور مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات کو جاننے کی کوشش کریں تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ حکومت نے مسلمانوں سے انکے حقوق چھیننے اور انہیں دوسرے درجہ کا شہری بنانے کے لئے اور انکے مذہبی معاملات میں ہر طرح سے رخنے ڈالتے ہوئے ان سے آزادی سلب کرنے کی ہر طرح کی کوشش کی ہے. بہت سے ایسے واقعات اب تک پیش آچکے ہیں جن سے صاف مسلم دشمنی اور ملک کی اکثریت کی طرف حکومت اور قانون کا جھکاؤ نظر آتا ہے. آپ مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے بابری مسجد کے سانحے کو لیجئے جو کہ اس ملک میں اس قوم کے ساتھ ناانصافی کی سب سے بڑی دلیل ہے. آپ جانتے ہیں کہ قانون نے اور حکومت نے بھی مسلمانوں سے بابری مسجد کو چھیننے کے لئے طرح طرح کے غیر معقول ہتھکنڈے اپنائے. ملک کی اکثریت والی قوم کو بابری مسجد کی جگہ صرف اور صرف اس بنیاد پر عطا کی گئی کہ وہ انکی آستھا سے جڑی ہوئی جگہ ہے اور یہ معاملہ انکے آستھا سے تعلق رکھتا ہے' لیکن پھر مسلمانوں کی آستھا کا کیا جو اس بابری مسجد کے بندر بانٹ والے فیصلے کے ساتھ ہی کہیں زائل ہوگئی. جب ان لوگوں نے دیکھا کہ مسلم قوم اپنی آستھا کے نام پر کچھ نہیں کر رہی ہے تو دھیرے دھیرے انہوں نے مسلمانوں کے سرد پڑتے جذبات کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں عمل دخل شروع کردیا کیونکہ مسلمانوں کی جانب سے کچھ گروہوں نے بابری فیصلہ آنے سے قبل ہی یہ ظاہر کر دیا تھا کہ جو بھی فیصلہ آئے گا اس کو دل سے سویکار کریں گے اور اسے ہوبہو تسلیم کریں گے۔ اسی کاہلی اور پسپائی والے رویے نے انہیں مسلمانوں کے دیگر مذہبی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی جرأت کو بڑھاوا دیا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلمان اس بے بنیاد فیصلہ کے خلاف ملک میں پر زور احتجاج کرتے جس کے چلتے حکومت کو کچھ سبق ملتا. اس پر مزید یہ کہ ہندو راشٹر کا نعرہ آلاپنے والی غیر فاشسٹ تنظیموں کے کچھ سربراہوں نے یہ بیانات جاری کئے کہ بابری تو انکی ہوچکی اب باری کاشی اور متھورا کی ہے اور نہ جانے کتنی جگہوں کو وہ مسلمانوں سے چھیننے میں کامیاب ہو جائیں گے.

پھر اسکے بعد آپ یونیفارم سول کوڈ کے معاملہ کو سمجھئے کہ کس طرح حکومت اور قانون یکساں سول کوڈ نافذ کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کی شریعت جو کہ خدا کی طرف سے اور رسول اللہ کی رہنمائی کے ذریعے عطا ہوئی ہے اس سے مسلمانوں کو پھیر کر ایک الحادی قانون کی پیروی کروانا چاہتے ہیں اور اس میں رد و بدل کرنا چاہتے ہیں لیکن سوئی ہوئی مسلم قوم کی طرف سے اس معاملے پر کوئی مخالفت نظر نہیں آتی. آپ تین طلاق والے مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ کس طرح انہوں نے مسلم دشمنی کی آڑ میں 'مسلم ماؤں اور بہنوں کی فلاح کے نام پر تین طلاق کے مسئلے اور شریعت کے بتائے گئے اصولوں کے خلاف اپنا فیصلہ سنا کر اس میں ترمیم کرنے کی کوشش کی. یہ تمام فیصلے اور مسلم مخالف سانحات ہمیں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس دیش میں خود اپنے معاملات کو قانون کے سپرد کرکے اور انہیں جوں کا توں قبول کرکے اور اسکے خلاف کوئی ردعمل نہ دے کر اور مذہبی معاملات میں انکی رخنہ اندازیوں کو نظر انداز کرکے ان کی جرأت کو اتنا بڑھاوا دیا کہ وہ اب مسلمانوں سے انکے حقوق سلب کرنے اور انکی آزادی سلب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور مسلم مخالف دشمنی کی آگ ان میں اس طرح سرایت ہوگئی ہے کہ وہ اور انکی قوم مسلمانوں کے خلاف ہر ممکن کوشش کرنے کو تیار ہیں. جب سے بی جے پی کی حکومت بنی ہے تب سے یہ معاملات اور زور پکڑ چکے ہیں. آئے دن ہمیں ماب لنچنگ کے متعلق خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ فلاں جگہ ہندو دہشتگردوں نے کسی مسلمان کو زبردستی تشدد کا نشانہ بنایا اور اس سے جے شری رام کے نعرے لگوائے. نہ جانے کتنی ہی جگہ ان لوگوں نے اب تک مسلمانوں پر ایسے تشدد کیے اور مسجدوں کو شہید کیا اور مزید یہ کہ ان تمام کا قصور وار مسلمانوں کو ٹھرایا گیا. تو کیا یہ آزادی ہے جو آنے والے وقتوں میں مسلمانوں کے حصے آنے والی ہے؟ اب تک کے جو حالات اور واقعات مسلمانوں کو کچھ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والوں
تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

موجودہ دور میں ملک میں چل رہے حجاب تنازعہ میں بھی کرناٹک حکومت اور وہاں کی کورٹ نے حجاب جو کہ شعائر اللہ اور مسلم عورتوں کی مذہبی پہچان ہے' اسکے خلاف اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ اسلام میں حجاب ضروری نہیں ہے اور مسلم لڑکیوں کو تعلیمی اداروں میں بغیر حجاب کے تعلیم حاصل کرنا ہوگا یعنی کہ اب قانون اتنی جرأت کر چکا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں مداخلت کرکے یہ فیصلہ دے کہ ہمارے مذہب میں کیا ضروری ہے اور کیا نہیں ہے. لیکن اس تنازعے میں مسلم بچیوں نے کفار کے سامنے ڈٹ کر جو ہمت سے کام لیا ہے اس سے خود مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ ہوا ہے. آپ اس تنازعے کے بیچ گزرے دنوں کا جائزہ لیں تو سمجھ میں آئے گا کہ اس واقعہ نے مسلمانوں کی حمیت اور غیرت کو للکارا ہے اور مسلمانوں کو اپنی identity پر جم کر عمل کرنے اور اس سے جڑے رہنے کی تاکید کی ہے. مسلم عورتوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ کافروں کے سامنے اپنی مذہبی پہچان کو زیب تن کرکے خود کو ایک practising muslim women ہونے کا ثبوت دیں.

آئے دن حکومت اور قانون کی طرف سے مسلم قوم پر ہونے والے حملوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اسلام دشمنی کی آڑ میں شعائر اللہ اور مسلمانوں کے مذہبی پہچان پر ضرب لگانا چاہتے ہیں اور انکے ہندو راشٹر والے منصوبے اور ideology کو اس ملک کی عوام پر اور اس ملک پر جلد از جلد نافذ کرنا چاہتے ہیں اور مسلم قوم کو اس کے ذریعے دوسرے درجہ کا شہری بنا کر ان سے ان کی آزادی کو سلب کرنا چاہتے ہیں۔

اسی بیچ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ حکومت کے ان منصوبوں سے خود بھی آگاہ رہیں اور اپنی قوم کو بھی آگاہ رکھیں اور ہر وقت ان کے خلاف ہونے والے فیصلوں کی پرزور مخالفت کریں تاکہ اس قوم کے زندہ ہونے اور اپنی حمیت اور غیرت کا ثبوت دیں. ورنہ یوں ہی چلتا رہا تو یہ کافر ایک دن مسلمانوں سے پہچان بھی سلب کرلیں گے اور قوم اس جال میں پھنس کر ایک پرندے کی طرح ہوجائے گی جسے صرف اور صرف شکاری کی بولی بولنی پڑتی ہے اور ہم بھی اسی پرندے کی طرح قید کردئے جائیں گے اور ہمیں اپنی آواز تک اٹھانے کی آزادی نہیں ہوگی تب ہماری حالت یوں ہوجائے گی

شکاری نے پرندے کو یہ کہہ کر قید کرڈالا
چہکنے کی تو آزادی ہے پر آواز مت کرنا

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہماری قوم کو باطل کے تمام فتنوں سے محفوظ رکھے اور اسی کے بتائے گئے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہر ممکن طور پر اپنا دفاع کرنے کی قوت عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

●●●

(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

علمی حلقے کے بعض لوگ بھی اس کی دعوت دینے لگے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی بات کا اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ اور پرسنل لاء کے سلسلے میں جو اصرار کیا سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف تو خواہ مخواہ کے لئے ہندوؤں میں ایک ردِّ عمل پیدا ہوا اور وہ سمجھے کہ مسلمان بہت تنگ دل ہیں۔ نہیں۔ صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم یہاں اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ رہیں گے اور اس کے ساتھ ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ ہم کو اس ملک کی قیادت نصیب فرمائے گا، اس لئے کہ اس ملک کی آبادی کا کوئی عنصر اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ وہ اس ملک کو بچائے۔ کیونکہ سب دولت پرست ہیں، مادہ پرست ہیں، طاقت پرست ہیں، نفس پرست ہیں۔ اور جان لیجیے کہ ہم عزت کے ساتھ رہیں گے طاقت کے ساتھ رہیں گے اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کریں گے اور اس کے رسول (ﷺ) کی اتباع کریں گے، صرف اسی کے بندے بن کر رہیں گے کیونکہ یہی واحد بچاؤ اور تعمیر کا راستہ ہے۔ اسی سے ہم یہاں امن پائیں گے اور اسلامی قانون پر پرسکون طریقے سے چل سکیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو توبہ کرنے اور حقیقی بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

●●●

+LGBTQ تحریک اور اس کے نتائج

بلال حسن

آپ میں سے بہت سے لوگوں نے ایک دھاری دار جھنڈے کو دیکھا ہوگا۔ کچھ لوگوں نے سوشل میڈیا پیج یا کسی مشہور شخصیت کو اس کی تشہیر کرتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا۔ اگر آپ تھوڑا گہرائی میں جائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ہم جنس پرستی یا +LGBTQ کی علامت ہے۔ مزید، آپ نے سوچا ہوگا کہ ”ارے یہ کون سی بڑی بات ہے، اس چیز کو ہر جگہ پروموٹ کیوں کیا جا رہا ہے؟“ آپ نے ہم جنس پرستی کے بارے میں اسلامی موقف کو بھی دیکھا ہوگا اور سمجھا ہوگا کہ یہ کج روی ہے اور یقیناً اسلام کے خلاف ہے۔ آپ نے کچھ لبرل مسلمانوں کو بھی دیکھا ہوگا جو کہیں گے کہ ”چلو یہ کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف ہے، لیکن آئیے ہم LGBTQ کے حق کے لیے لڑیں۔“

یہ کچھ مختلف خیالات ہیں جو موجودہ دور میں رائج ہیں جن سے ایک بڑی تعداد واقف ہے۔ لیکن اس LGBTQ تحریک کی اصل وجہ کیا ہے اور اس کا مقصد ہماری زندگیوں کو کب تک متاثر کرنا ہے، آئیے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

نام:

+LGBTQ اصطلاحات مردوں اور عورتوں کی مختلف جنسی سمتوں پر مشتمل ہوتی ہیں جو قدرتی واقفیت سے مختلف ہیں یعنی مرد سے عورت یا اس کے برعکس۔ ”+“ علامت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ دوسری سمتیں ہیں اور جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، یہ ترقی کرتا رہے گا۔

تاریخ:

یہ 1970 کی دہائی تھی جب امریکی معاشرے میں ہم جنس پرستی کا تصور متعارف ہوا۔ اس وقت صرف ہم جنس پرستوں کی اصطلاح ہی مشہور تھی۔ اس کے بعد، نئے رجحانات (یا زیادہ واضح طور پر - بگاڑ) سامنے آئے اور LGBTQ تحریک نے 1990 کی دہائی میں زور پکڑا۔

کیا ہے LGBTQ تحریک؟

LGBTQ تحریک، اپنے آغاز سے، جدید معاشرے میں اپنی قبولیت کا مطالبہ کرتی رہی ہے۔ یہ تحریک مطالبہ کرتی ہے کہ دنیا کے ممالک اپنی جنس (جنسوں) کو سرکاری شرائط کے طور پر قبول کریں اور انہیں امتیازی سلوک سے مزید تحفظ دیں۔

LGBTQ تحریک کے نتائج:

مردوں کا مردوں کی طرف متوجہ ہونا یا عورتوں کا عورتوں کی طرف متوجہ ہونا روایتی معاشرے میں ایک بری چیز سمجھی جاتی تھی۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں ایسی حرکت کرنا گناہ تھا۔ تاہم، LGBTQ کے پیادے ہم خیال یہ ثابت کرنے کے لیے ان بگاڑ کے تاریخی ریکارڈ دیتے ہیں کہ یہ چیزیں نئی نہیں ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ”سمتیں“ پہلے موجود تھیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ، اگر وہ تاریخ میں موجود ہیں، تو وہ بہت کم نظر آتی ہیں. دوسری بات یہ کہ ان شاذ و نادر واقعات کو بھی برا یا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ مزید یہ کہ، چونکہ جدید معاشرہ ہر چیز کو سائنس کی عینک سے دیکھتا ہے، اس لیے مرد اور عورت کے علاوہ کسی تیسری جنس کے وجود کی حمایت کرنے کے لیے کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔

لیکن چونکہ سائنس کو تمام تاریکی کو دور کرنے کے لیے مشعل کی روشنی کے طور پر دیکھا جاتا ہے، اس لیے تیسری جنس کے وجود کو ثابت کرنے کی بہت زیادہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ عام لوگ

اس حوالے سے عام طور پر الجھن کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ کچھ لوگ اپنی جنس کے بارے میں مختلف جنسی اعضاء کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں ہرمافروڈائٹس یا ”ہجڑا“ کہا جاتا ہے، خاص طور پر برصغیر میں۔ یہ لوگ اپنے طور پر مختلف جنس نہیں رکھتے لیکن LGBTQ کے مقابلے میں ان کی پیدائشی خرابیوں کی وجہ سے خواہشات کی بنیاد پر الگ جنس متعارف کروانا چاہتے ہیں۔

آئیے اب ہم LGBTQ کے بنیادی آئیڈیا کو ان کی واقفیت کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بحث کی گئی ہے، صنفی شناخت کا تعین اس بات پر ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ اگر عورت سمجھتی ہے کہ وہ مرد ہے تو ایسا ہی ہے، اگر کوئی مرد سمجھتا ہے کہ وہ عورت ہے تو ایسا ہی ہے۔ اگر کوئی الجھن میں ہے، تو وہ تلاش کرتا رہے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی کوئی جنس نہیں ہے تو ایسا ہی ہے۔ یہ بات یہاں تک نہیں رکتی۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ بلی ہے تو ایسا ہے، اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ کتا ہے تو ایسا ہی ہے۔ آپ میں سے کچھ اس پر ہنس رہے ہوں گے لیکن یہ چیزیں حقیقت میں ہو رہی ہیں۔

مغرب میں LGBTQ کے مشعل برداروں کی طرف سے ایک مایوس کن کوشش یہ بھی ہے کہ پیدائش کے وقت پیدا ہونے والے بچے کو بالکل بھی صنف تفویض نہیں کرنا چاہئے۔ وہ اسے ان کے واقفیت کے تصور کے مطابق دستی طور پر تفویض کرے گا۔ ان میں سے بہت سے LGBTQ عناصر کے بارے میں مغرب میں پرائمری سطح کے اسکولوں میں بات کی جا رہی ہے۔ تصور کریں کہ آپ کا بیٹا یا بیٹی ایک دن اسکول سے گھر آ کر کہے کہ اب سے میں اس صنف سے تعلق رکھتا ہوں، یا میں بلی ہوں یا میں ہاتھی ہوں۔ یہ مثالیں مغرب میں تیزی سے عام ہوتی جا رہی ہیں۔ اللہ ہمیں اس فتنے سے بچائے۔

LGBTQ اور اس کا بڑا ہتھیار:

اسے سمجھنے کے لیے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ کارپوریٹس کو گاہکوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہیں سے کاروبار شروع ہوتا ہے۔ کارپوریٹس کے لیے ایک ٹارگٹ گاہک حاصل کرنا ایک آسان کھانا ہوگا جو ہر وہ چیز خریدتا ہے جسے وہ بیچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اب ایل جی بی ٹی کیو کا شکار کر رہے ہیں، ایک ایسا گاہک گروپ جو اس قدر فریب میں مبتلا ہے کہ اپنی جنس کا تعین بھی نہیں کر سکتا، ان کے ذریعے اپنی مصنوعات کو بیچنا ایک آسان کام ہے۔ تاہم، یہ ایک وجہ ہے کہ کارپوریٹ LGBTQ کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر ہم گہرائی میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ عالمی نظام کو بدلنے یا اس میں جوڑ توڑ کی کوشش کرنے والے کرونی سرمایہ دار اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر اس فکر کو معاشرے میں طاقت کے ذریعے اس کو پھیلایا جائے تو یہ سب سے زیادہ برا ہوگا۔ اس وقت اس کے کچھ سنگین مسائل ظاہر ہونے لگے ہیں۔ حال ہی میں ارجنٹائن میں ایک شخص نے جلد ریٹائرمنٹ اور اچھی پنشن حاصل کرنے کے لیے خود کو ایک خاتون قرار دیا۔ ایتھلیٹکس میں، چونکہ وہ ٹرانس لوگوں کے لیے دھیرے دھیرے حدود کو ہٹا رہے ہیں، مرد، جو خواتین کے طور پر رجسٹر ہوتے ہیں، اپنے شریک شرکاء کو آسانی سے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ تو مسئلے کی شروعات ہے، صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کج روی پوری دنیا کو کتنا برباد کر دے گی۔ مسلم دنیا پر اس کے اثرات اور ان کے حل کے بارے میں انشاء اللہ بعد میں بات کریں گے۔

●●●

فارم نمبر چار (4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت : ماہانہ
مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

جامع مسجد گیان واپی تاریخ کے آئینے میں

ابوالفیض اعظمی

مفتی عبدالباطن نعمانی شہر بنارس کی ایک علمی اور عبقری شخصیت ہیں ۔آپ ہی نہیں بلکہ آپ کا پورا خانوادہ تقریباً ایک صدی سے گیان واپی مسجد میں امامت وخطابت کے منصب پر فائز ہے ۔اور کب تک یہ سلسلہ چلے گا اس کے بارے میں علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

زیر نظر کتاب (جامع مسجد گیان واپی تاریخ کے آئینے میں) گیان واپی مسجد کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔یہ کتاب اصولی طور پر تین حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ مسجد کی تاریخ پر ہے ۔دوسرے حصے میں اورنگ زیب عالمگیرؒ پر لگے الزامات اور شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے ۔تیسرا تشویشناک صورت حال کے عنوان سے ہے جس میں مولانا نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک حالات لکھے ہیں اور ان پر تشویش ظاہر کی ہے۔

مفتی صاحب مسجد کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”عام تاثر یہ ہے کہ ”گیان واپی“ مسجد ہی کا نام ہے حالانکہ یہ غلط تاثر ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ یہ مسجد جہاں واقع ہے اس محلّے کا نام گیان واپی ہے ۔اور اسی مناسبت سے یہ گیان واپی مسجد کے نام سے مشہور ہے ۔گیان واپی سنسکرت زبان کا لفظ ہے ۔گیان کے معنی عقل وعلم اور واپی کے معنی باولی کے ہیں ۔مولانا مزید وضاحت کے لیے مفتی عبدالسلام نعمانی کی کتاب (تاریخ آثار بنارس) سے حوالہ دیتے ہیں، مفتی عبدالسلام نعمانی نے لکھا ہے:

”گیان واپی محلّے کا نام ہے اسی مناسبت سے مسجد اسی محلّے کے نام سے منسوب ہے۔گیان واپی نام پڑنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہندوؤں کے مہادیو جی گو بجسم ظاہر پتھر ہیں لیکن اپنی عقل کی زور سے ایک باؤلی میں (جو یہیں کسی جگہ تھی) چلے گئے پھر واپس نہیں ہوئے ۔یہ روایت زبانی مشہور ہے۔“ (ص: ۳،۴)

عہد تاسیس کے تعلق سے مولانا لکھتے ہیں:

”تاریخی اعتبار سے یقینی طور پر تو یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس مسجد کا اصل بانی کون ہے؟ اور اس کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا تاہم اتنا ضرور ہے کہ مغلیہ سلطنت کے ایک بادشاہ جلال الدین محمد اکبر جن کا دور حکومت ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء ہے اس دور میں بھی یہ جامع مسجد موجود تھی اور اس میں باضابطہ نمازیں ادا کی جاتی رہیں ۔اس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس دور میں بنارس کے ایک مشہور بزرگ، ولی کامل قطب بنارس حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسیؒ (متوفی ۱۰۴۲ھ) مدفون مڈواڈیہہ شہر بنارس پابندی سے نماز جمعہ کی ادائیگی اسی جامع مسجد میں فرماتے تھے ۔گنج ارشدی نامی کتاب میں اس دور کا ایک واقعہ تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسیؒ جمعہ کے روز جامع مسجد میں موجود تھے کہ خطیب نے خطبہ میں اکبر بادشاہ کا نام لے لیا جو حضرت شاہ صاحب کے لیے سخت ناگواری کا باعث ہوا۔انھوں نے یہ سوچ کر کہ خطبہ میں کافر کا نام لے لیا گیا خطیب کو منبر سے اتارنا چاہا لیکن حضرت مولانا خواجہ کلاں (متوفی ۱۰۰۴ھ) اور کچھ دیگر اکابر بھی وہاں موجود تھے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ اگر اکبر کو خبر لگی تو ہمارے مکانوں کو تاراج کر دے گا۔“ (ص:۴)

آگے مزید لکھتے ہیں:

”اس مسجد کی تاسیس سے متعلق ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی (متوفی ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۰ء) جون پور کے

صدر الصدور قاضی صدر جہاں اور ان کے ایک متمول شاگرد شیخ سلیمان محدث نے نویں صدی ہجری میں عالمگیر بادشاہ (متوفی ۱۱۱۷ھ مطابق ۱۷۰۷ء) کے جد امجد ہمایوں بادشاہ (متوفی ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء) کے عالم وجود میں آنے سے بہت پہلے بنوائی ہے۔" (ص:۵)

مولانا نے بطور حوالہ مرقع بنارس کی عبارت بھی نقل کی ہے۔ مرقع بنارس کے مصنف اس بارے میں لکھتے ہیں:

" قاضی صدر جہاں کے شاگردوں میں شیخ سلیمان محدثؒ اونچے درجے کے عالم حدیث تھے اکثر شہروں میں بڑی بڑی جامع مسجدیں تعمیر کرائیں چنانچہ شہر بنارس میں ان کی تعمیر کردہ جامع مسجد اب تک موجود ہے، نماز جمعہ اس میں ادا کی جاتی ہے۔" (ص:۵)

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ:

" بہت سے لوگوں کو ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اس مسجد کی سنگ بنیاد اورنگ زیب عالمگیرؒ (متوفی ۱۱۱۷ھ مطابق ۱۷۰۷ء) کے عہد حکومت میں رکھا گیا اور اس کے اصل بانی بھی وہی ہیں جب کہ اس مسجد کا مختلف حوالہ سے اکبر کے دور حکومت میں ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ شہنشاہ حضرت عالمگیرؒ نے ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۸ء میں اس کی تعمیر نو کرائی تھی، لیکن درحقیقت یہ تعمیر اصل تعمیر نہیں بلکہ پرانی بنیاد پر ازسرِ نو تعمیر تھی۔" (ص:۸)

شاہ جہاں نے اپنے دور حکومت میں مسجد سے متصل "ایوان شریعت" کے نام سے ایک مدرسہ بنوایا تھا جس کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

"اکبر کے بیٹے جہانگیر (متوفی ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء) کے عہد میں بھی یہ مسجد اسی طرح قائم رہی اور اس میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ نہیں ہوئی البتہ جہانگیر کے بیٹے شاہ جہاں (متوفی ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۵۷ء) نے اپنے دور حکومت میں جامع مسجد کی پشت پر واقع کھنڈر کی زمین پر "ایوان شریعت" نامی مدرسہ قائم فرمایا تھا جس میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جس عمارت میں مدرسہ چلتا تھا وہ بہت پہلے منہدم ہو کر کھنڈر کی شکل اختیار کر گئی۔"

مزید آگے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مدرسہ مذکورہ کے قیام کا ثبوت یہ بھی ہے کہ ۱۹۲۲ء کی کھدائی میں انہی کھنڈرات میں ایک سہ رخا پتھر ملا تھا جس پر "ایوان شریعت" کندہ تھا، ساتھ ہی ۱۰۴۸ھ بھی لکھا تھا جو مدرسہ مذکورہ کی سن تاسیس ہے۔" (ص:۹،۱۰)

یہ بات بھی بہت شد و مد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ اس مسجد کو بھی وشوناتھ مندر کو توڑ کر بنا گیا ہے اور بنانے والا اورنگ زیبؒ ہے جو سراسر غلط ہے۔ مولانا اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ بابو شری کرشن ورمانے اپنی کتاب" کاشی اور وشوناتھ کا تذکرہ" میں "کاشی کھنڈ" کے متعدد حوالوں سے اپنے اس دعوے کو مدلل کیا ہے کہ موجودہ مسجد وشوناتھ مندر کی جگہ نہیں ہے۔ ان کی اس بات کا خلاصہ انہی کے لفظوں میں یہ ہے کہ:

"اگر یہ مسجد قدیم وشوناتھ مندر کی جگہ پر ہے تو "کاشی کھنڈ" سچ نہیں ہے اور اگر "کاشی کھنڈ" معتبر کتاب ہے تو جامع مسجد وشوناتھ جی کی مندر کی جگہ پر نہیں ہے۔" (ص:۱۴،۱۵)

مولانا پہلے حصے کے آخر میں کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

"مختصر یہ کہ تاریخ ہند اسی تاریخی شاہی مسجد کی قدامت پر شاہد ہے۔ ملک کے قانون تحفظ عبادت گاہ کے مطابق بھی اس کو قانونی تحفظ کا حق حاصل ہے، اس کے باوجود اس کے خلاف سازشیں کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس ملک کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ملک کے قانون کو نہیں مانتا اور اس سے بھی زیادہ شرم کی بات یہ ہے کہ حکومت و انتظامیہ دونوں اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔" (ص:۱۶)

کتاب کا دوسرا حصہ اورنگ زیب عالمگیرؒ اور ان کے فرامین کے حوالے سے ہے۔ جو انھوں نے مختلف موقعوں پر دیئے تھے۔ ان میں سے چند کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے۔

مولانا نے ان فرامین کے علاوہ کچھ ہندو مؤرخین کے اقوال بھی اس کتاب میں درج کیے ہیں ان میں سے ایک اشیوری پرساد کا بھی ہے جو اس کی مشہور کتاب "تاریخ ہند" میں موجود ہے۔ اورنگ زیبؒ کے تعلق سے لکھا ہے:

" پرماتما کی شان ہے کہ اورنگ زیب جتنا اپنی رعایا کا خیر خواہ تھا اتنا ہی قدرت نے اسے بدنام کیا۔ کوئی اسے ظالم کہتا ہے، کوئی اسے خونی کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ "عالمگیر" کے لقب کا مستحق ہے۔" (ص:۲۰)

مولانا نے "انجمن انتظامیہ مساجد" جو جامع مسجد گیان واپی کے علاوہ تقریباً ۳۰ مساجد کا انتظام و انصرام دیکھ رہی ہے، اس کا ذکر بھی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ اس انجمن کا قیام ۱۹۲۰ء میں عمل

میں آیا تھا۔اس انجمن نے گیان واپی کے علاوہ بھی کچھ ایسی مساجد کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے رکھی ہے جو متنازعہ تھیں اور جس میں نماز وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔

انجمن اپنے قیام سے لے کر اب تک ہر طرح سے ان مساجد کی نہ صرف نگرانی کرتی ہے بلکہ ہر طرح کے نامساعد حالات میں حکومت اور ان کے کارندوں سے برسر پیکار بھی رہتی ہے۔انجمن کے بہت سے کارناموں کو مولانا نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔اس میں سے ایک ملاحظہ کریں:

”اسی طرح ۲۰۰۰ء میں حکومت اتر پردیش (BJP) اور بنارس کے دیگر افسران نے تین دن تک شیوراتری منانے کا اعلان کیا جب کہ ہر جگہ شیوراتری صرف ایک دن ہوتی ہے۔جب حکومت کی جانب سے تین دن تک شیوراتری منانے کے پروگرام کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور لاکھوں لوگوں کو بنارس لانے کا بھی پروگرام بن گیا جو بابری مسجد کی شہادت کے دن کا منظر پیش کررہا تھا۔ایسے حالات میں بھی انجمن نے بنا شور شرابہ کئے اس پروگرام کے خلاف خاموش مہم چلائی اور بحمداللہ کامیاب ہوئی۔“(ص:۳۴)

کتاب کا آخری حصہ ”تشویشناک صورت حال“ کے عنوان سے ہے۔اس میں مفتی صاحب نے اب تک جو کچھ حکومت اور ہندو کی طرف سے جو کوئی کوشش ہوئی تھی اسے تحریر کیا ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

”متعدد بار عین نماز کے وقت غیر مسلم مسجد میں گھسے، بعض کے پاس ہتھیار بھی برآمد ہوئے، مگر حفاظتی دستوں نے کسی کو پاگل کہہ کر چھوڑ دیا تو کسی کو کچھ اور۔اور آج تک ایک مقدمہ بھی درج نہ ہوا۔اس کے برعکس اگر کوئی مسلم مسافر غلط فہمی کا شکار ہو کر مندر میں چلا جاتا ہے تو اس کو دہشت گرد، مشکوک و مجرم قرار دیا جاتا ہے۔اس کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے، متعدد قسم کی ایذا رسانیوں و بدسلوکیوں کے بعد جب تک وہاں پر تعینات حفاظتی دستہ عملہ مطمئن نہیں ہو جاتا وہ اسی طرح ظلم و بربریت کا شکار ہوتا رہتا ہے۔“(ص:۳۶،۳۷)

آگے مسجد میں بنے حوض کے بارے میں صاحب کتاب لکھتے ہیں:

”مسجد کے اندر ایک حوض ہے جس کے پانی سے ایک طویل عرصے لوگ وضو کرتے چلے آرہے تھے، لیکن ادھر تقریباً دو دہائیوں کے اندر وہاں بندروں کی اتنی کثرت ہوئی کہ انھوں نے پانی کے اندر غوطہ زنی اور نجاست و آلودگی کے ذریعہ پانی کو اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ اس سے وضو کیا جاسکے۔مجبوراً الگ سے ٹنکی نصب کرکے حوض کے چاروں طرف پائپ لائن دوڑائی گئی جس سے مصلیان مسجد وضو کرتے ہیں۔ادھر اٹھارہ بیس سال کے عرصے میں جتنی بھی حکومتیں آئیں ان سب کے عہد میں حوض کے مسائل سے انہیں آگاہ کرنے کے بعد ضلع انتظامیہ سے حوض کو ڈھانپنے کے لیے ایک جالی فٹ کرانے کی اجازت طلب کی گئی لیکن تمام حکام یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ کوئی نیا کام نہیں ہوسکتا۔“(ص:۳۸،۳۹)

ایل، آئی، یو کا ٹولہ ہر اس جگہ آپ کو ملے گا جہاں حکومت کو یہ محسوس ہوگا کہ اس کی مقبولیت سے حکومت کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا وہ ہندو مذہب کے علاوہ کسی دوسرے کے ترویج و اشاعت کا ذریعہ ہے۔گیان واپی مسجد میں بھی یہ ٹولہ مستقل اپنی ڈیوٹی دیتا ہے۔اس کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

”محکمہ خفیہ کے ایل، آئی، یو کی طرف سے بھی کچھ افراد مستقلاً تعینات کئے گئے ہیں جو نمازیوں کی تعداد ہمیشہ کم سے کم بتلاتے ہیں جس کا مقصد خاص یہ ہے کہ حکومتی سطح پر انتظامات مختصر سے مختصر کئے جائیں۔ان کی یہ حرکت مستقبل میں مسلمانوں اور مسجد کے حق میں ناسور ثابت ہوسکتی ہے۔واضح ہو کہ مسجد کے علاوہ احاطے میں متعدد دوکانیں ہیں جو کہ مسجد ہی کی زیر ملکیت اور انجمن انتظامیہ مساجد کے زیر اہتمام ہیں۔۱۹۳۶ء کے فیصلے کے مطابق مسجد کی چھت کے علاوہ ان دونوں کی چھتوں پر بھی نماز کی ادائیگی کی اجازت ہے لیکن آئے دن ضلع انتظامیہ ایل، آئی، یو کی یہی کوشش رہتی ہے کہ نمازی صرف مسجد کے اندر ہی تک محدود رہیں۔“(ص:۴۰،۴۱)

جامع مسجد گیان واپی اور آس پاس کے علاقہ میں حفاظتی امور پر کروڑوں روپئے خرچ ہوتے ہیں لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔اس لیے کہ اندر کچھ ہوتا ہے اور باہر کچھ اس لیے مثل مشہور ہے کہ ”ہاتھی کے دانت کھانے کے کچھ ہوتے ہیں اور دکھانے کے کچھ“ اس پر مولانا لکھتے ہیں:

”ان حفاظتی انتظامات پر ایک انداز کے مطابق ماہانہ کروڑوں روپئے صرف ہوتے ہیں اور جہاں حفاظتی انتظامات کے لیے ایسے ایسے آلات کی تنصیب کی گئی ہے کہ لوہے کی ایک معمولی چابھی بھی جیب میں ہو تو فوراً پتہ چل

جائے لیکن سب کے باوجود ایٹمی مادے جیسی خطرناک ومہلک اشیاء ان انتظامات کی دھجیاں اڑاتی ہوئی حفاظتی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی گزر جائیں سخت تعجب خیز بات ہے بلکہ اسے سازش قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔"

(ص: ۴۴،۴۵)

مولانا نے آخر میں گزارش کے طور پر ایک تفصیلی نوٹ لکھا ہے، اس میں ایک جگہ امام صاحب لکھتے ہیں:

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس مسجد کا حشر بابری جیسا نہ ہو تو اس کے لیے ہر ممکن قربانی کے لیے تیار رہنے کے ساتھ کم از کم اتنا تو ضرور کرنا چاہیے کہ نمازیوں کی آئے دن کی گھٹتی تعداد میں اضافہ کی کوشش کی جائے۔"

کتاب کا آخری پیراگراف کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے:

"اگر واقعی مسجد سے محبت اور قربانی کا جذبہ ہو تو میدان میں آئیں، حالات کا مقابلہ کریں، ورنہ موجودہ حالات تو ذرا بھی سازگار نہیں مستقبل کا خدا حافظ۔"

یہ بات مولانا نے آج سے تقریباً ۱۵ سال پہلے لکھی تھی اس لیے کہ انھوں نے اور جامع مسجد گیان واپی کے مصلیان نے حالات کو بہت قریب سے نہ صرف دیکھا تھا بلکہ اس سے نبرد آزما بھی تھے۔ مسجد میں نمازیوں کی تعداد کو کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی یہاں تک کہ انھیں برابر پریشان بھی کیا جاتا رہا ہے لیکن اب بھی وہاں کی مسلم عوام مسجد کے تحفظ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ ہم بھی اپنی طرف سے پوری کوشش کریں کہ ہم مسجد کے تحفظ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہ سب کچھ قربان کر دیں گے۔ (انشاء اللہ)

ہم کوشش کریں کہ اس مسجد کی بھی تاریخی حقیقت سے واقف ہوں اور دوسروں کو بھی واقف کرائیں اور اس کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش جاری رکھیں۔

یہ کتاب (جامع مسجد گیان واپی تاریخ کے آئینے میں) ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ مفتی پرنٹنگ اینڈ پبلی کیشنز، وارانسی سے شائع ہوئی ہے۔

•••

(بقیہ صفحہ ۴۰ کا)

اسکا علاج کیا ہے وہ اس سورہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفصیل سے بتا دیا۔ عورت اگر شوہر کے مظالم کا شکار ہے اور وہ نجات چاہتی ہے تو ایسی صورت میں خلع کا حق دیا گیا ہے۔

اس میں طلاق شدہ (مطلقہ) عورتوں کے سلسلے میں بھی احکام بیان ہوئے ہیں۔ اور ان محرمات کی ایک لمبی فہرست بیان کی گئی جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔

مختصر یہ کہ پوری سورہ عورتوں کے مسائل کا صرف احاطہ ہی نہیں کرتی بلکہ ان کا حل بھی پیش کرتی ہے اور انھیں ذلت ورسوائی سے آزادی دلاتی ہے تاکہ معاشرے میں انھیں بھی وہ مقام حاصل ہو جس کی وہ مستحق ہیں اس میں خاص طور پر "خواتین کے حقوق، وراثت میں خواتین کا حصہ، محرم خواتین، نکاح کے ضمن میں خواتین کے حقوق، نشوز اور فواحش کا راستہ اختیار کرنے والی خواتین کی تعزیر" وغیرہ موضوعات پر توجہ دی گئی ہے۔ ان پر ان شاء اللہ تفصیل سے باتیں آگے آئیں گی۔

(بقیہ صفحہ ۱۱ کا)

جاری ہے جس نے یمن کو عملاً کھنڈر بنا دیا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے تنازعات جہاں پیچ در پیچ اور حد درجہ گنجلک ہیں، وہیں تقریباً ہر جگہ طاقتور غیر ملکی طاقتوں کے اثرات بھی ہیں۔ فرقہ وارانہ رنگ نے معاملے کو مزید پیچیدہ کر دیا ہے۔ مردانِ صف شکن کے ساتھ کئی کلیدی وتزویراتی موڑ پر پردہ نشینوں نے دام ہم رنگِ زمین بچھا رکھے ہیں، یا یوں کہیے کہ رنگین آنچل اور چلتے پھرتے سائے اِدھر سے اُدھر کوندتے پھر رہے ہیں۔

ان تنازعات کے کچھ فریق پُرجوش، بعض تذبذب کا شکار، جبکہ ایک بڑی تعداد شکوک وشبہات اور اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہے، لیکن یہ تمام "کھلاڑی" بے مقصد لڑائی سے اکتائے ہوئے لگ رہے ہیں۔ یہی اس معاملے کا خوش آئند پہلو ہے، تاہم موہوم اشاروں سے امیدیں وابستہ کر لینا مناسب نہیں، کہ راستہ مخصوص مفادات کی بارودی سرنگوں اور مذہبی منافرت کے ٹائم بموں سے پٹا پڑا ہے۔

خواتین کے مسائل سورہ نساء کی روشنی میں

مریم جمیلہ فلاحی

سورہ نساء کا نام ہی عورت کے نام پر رکھا گیا ہے۔ نساء نسوۃ کی جمع ہے۔ عربی میں نساء کے معنیٰ عورتوں کے ہیں کیونکہ اس میں کثرت سے عورتوں کے مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ان کے حقوق متعین کئے گئے ہیں، ساتھ ہی ان سے نرمی و ہمدردی سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جاہلیت کے ظلم وستم اور مشرکانہ رسوم وقوانین سے نجات دلانے کے لیے اس میں بہت سی ہدایات و اصول بیان ہوئے ہیں۔ یتیم بچیوں کے حقوق کے سلسلے میں ان کے احکام کی پابندی پر زور دیا گیا اور ان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ان کے تحفظ کی شدت سے تاکید کی گئی ہے۔

اس سورہ کا عام پیغام یہ ہے کہ معاشرے کے اندر جو کمزور طبقات ہیں ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ عورتوں کے معاشرتی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ معاشرہ لوگوں کے مجموعے کا نام ہے اور معاشرہ میاں بیوی سے بنتا ہے جس کی شروعات نکاح سے ہوتی ہے۔ اسلامی شریعت میں نکاح کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور نکاح میں بھی جہاں مردوں کی رضامندی کی بات کی گئی وہیں عورتوں کی بھی رضامندی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس میں نکاح کے احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ عورت کو معاشرے میں ہمیشہ دبا کر رکھا گیا جس کی سیکڑوں مثالیں تہذیب یافتہ قوموں اور دوسرے ادیان میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ عورتوں نے اسلام سے تو اپنا حق پا لیا لیکن مسلمانوں سے اپنا حق نہیں پایا۔ ہمارے سماج کے اندر کتنے ایسے لوگ موجود ہیں جو بہنوں کو میراث میں سے حصہ نہیں دیتے۔ قرآن نے ترکہ میں بہنوں اور بیٹیوں کا حصہ مقرر کر کے معاشرے میں ان کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کا مقام و مرتبہ بلند کیا ہے۔ انھیں معاشی تحفظ صرف ترکہ ہی نہیں بلکہ بذریعہ نان و نفقہ اور مہر فراہم کیا ہے۔ تعدد ازدواج پر روک لگائی گئی ہے۔ اہل عرب کے یہاں جاہلیت میں یہ رواج عام تھا کہ مرد جتنی چاہتے بیویاں رکھتے تھے اور بیویوں کے لئے کوئی حقوق متعین نہیں تھے تو اس طرح ان کے ساتھ ظلم و ناانصافی ہوتی تھی۔ تو اسلام نے عورتوں کو یہاں بھی حقوق سے سرفراز کیا کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ چار شادی کی اجازت دی وہ بھی عدل کی کڑی شرط کے ساتھ تاکہ عورتوں کی کسی بھی صورت میں حق تلفی اور ناانصافی نہ ہو اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

شریعت اسلامی نے ماں، بیوی، بیٹی، بہن وغیرہ سب کے حقوق اور ان کے مسائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں گھریلو زندگی سے متعلق بھی اصول و قواعد بتائے گئے ہیں کہ گھر کے ماحول کو خوشگوار کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ چونکہ گھر ہی معاشرے اور سماج کی پہلی بنیاد ہے۔ گھر ہی وہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں، یہیں سے اخلاق و کردار سنورتے ہیں۔ ایک عورت ہی گھر کو جنت کا عملی نمونہ بنا سکتی ہے۔

معاشرے میں بیویوں کو بھی وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں جو اسلام نے عطا کیا ہے اور ان کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کیا جاتا جس کی قرآن بار بار تاکید کرتا ہے۔ کہا گیا کہ بیویوں کے اوپر ظلم نہ کرو، ان کے ساتھ ناانصافی نہ کرو، اگر کبھی وہ آپ کے خلاف اٹھ کھڑی بھی ہوں اور آپ کی نافرمانی و بغاوت کرتی ہوں تو اس کا علاج ہونا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

ہم اللہ کے بندے بنیں گے

حافظ ہمام فاروق

میرے عزیز ساتھیو! ہم اگر چہ ابھی بہت چھوٹے ہیں اور حالات کی سختی کو مکمل طور پر نہ سمجھ پا رہے ہوں لیکن کچھ ایسا لگ رہا ہے کہ حالات اچھے نہیں ہیں۔ ہر کوئی پریشان دکھ رہا ہے۔ اخبارات اور ٹی وی وغیرہ پر ہر جگہ اسلام اور مسلمان نشانے پر ہیں۔ خوف صاف دکھ رہا ہے۔ ایسے حالات میں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ بھارت میں مسلمانوں پر یہ جو حالات آئے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے کہ باطل صرف بھارت ہی میں اسلام کا دشمن ہے بلکہ باطل تو پوری دنیا میں اسلام کا دشمن ہے۔ اور ایسے واقعات بھی پوری دنیا میں رونما ہو رہے ہیں جو آج ہم کو بھارت میں دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ چونکہ ہم مسلمان بھارت ہی کے رہنے والے ہیں تو ہم پہلے اسی کی بات کرتے ہیں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح ایک کے بعد ایک مسلمانوں پر پریشانیاں آ رہی ہیں اور یہ کہ غیر مسلموں اور اکثریت نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اس ملک کو اسپین span اور مسلم مکت بنا کر ہی دم لیں گے اور اگر اس ملک میں مسلمان رہیں گے تو اپنی تمام ملی تشخصات کو چھوڑ کر اور پہچان کو چھوڑ کر۔ مسجدیں مسلمانوں کے وجود کی بہت بڑی پہچان ہیں۔ آج کل ہر طرح سے اسے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کبھی بلڈوزر چلانے کی کوشش کی جاتی ہے تو کبھی بھگوا جھنڈا لہرایا جاتا ہے۔ بابری مسجد کا جو معاملہ ہوا ہے اُس نے اِس کے لیے راستہ کھول دیا ہے اور ان لوگوں کو ایک موقع فراہم کر دیا ہے۔ اب ہندوا اخبار نویسی اور کالم نگار اور ان کے سوچنے سمجھنے والے ہندی اخباروں میں جو مضامین لکھ رہے ہیں وہ بڑے خطرناک ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو گھر واپس آنا ہوگا یعنی ہندو بننا پڑے گا۔ یہاں مسلمان بن کر رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ وہ لباس میں، شکل وصورت میں، تہذیب میں، رسم الخط میں، اور اپنے اخلاقی معاملات میں ان تمام امتیازی خصوصیات سے دست بردار ہو جائیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ یہ ایک اندر ہی اندر بڑا فتنہ رونما ہو رہا ہے۔ اس وقت اس فتنے کو روکنے کے لئے سب سے بڑی طاقت جو ہو سکتی ہے وہ ہمارے علماء اور ملی وتنظیمی قائدین ہیں۔ وہ جہاں جہاں کے رہنے والے ہوں وہاں وہاں اپنے مشورے میں تقریر کریں، نکاح وغیرہ کی مجالسوں میں تقریر کریں، اپنے دینی حلقے میں تقریر کریں کہ ہم کو اپنے پورے ملی تشخصات کے ساتھ یہاں پر رہنا ہے، کسی ایک چیز میں بھی کمپرومائز نہیں کرنا ہے اور ہمیں یہ چیز بھی گوارا نہیں کہ ہمارا پائنچا ٹخنوں سے نیچے ہو اور ہم اس کے لیے بھی تیار نہیں کہ ہم اپنی داڑھی کو اس طرح کر لیں کہ سمجھا جائے کہ حسنِ اتفاق سے کچھ بال اُگ آئے ہیں۔ نہیں کچھ نہیں۔ سیدھی بات کہتے ہیں کہ ہم بلکل اسلامی شریعت پر عمل کریں گے اور ہمارا نظام تعلیم وہی رہے گا۔ ہم اپنے بچوں کو دین کی مخصوص تعلیم دیں گے اور انہیں نظام اختلاط سے دور رکھتے ہوئے شرم وحیا اور پاکدامنی کا تحفہ دیں گے۔ یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہم اور آپ پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی سن لیجئے اور دل پر لکھ لیجئے کہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ جو ہے وہ یہ متحدہ کلچر اور ملی تشخص سے دستبردار ہونا ہے۔ اور شیطان ہم کو بہکا کر اس کلچر میں شامل کرنے کی کوششیں کر رہا ہے لیکن ہم کو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے دینی حلقے یا

(بقیہ صفحہ ۳۳ پر)

شارح: شیر خالد

طلوعِ اسلام

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اُخُوّت کی جہاں گیری، محبّت کی فراوانی

معنی: رمزِ مسلمانی: اسلام کی حقیقت ۔ اخوّت: محبت ۔ جہاں گیری: دنیا پر حکومت ۔

تشریح: پوری ملتِ اسلامیہ کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ اے مردِ مسلمان! تجھے ملت کی صفوں میں محبت و اسلامی بھائی چارے کی فضا کو فروغ دینا چاہیئے ۔ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو فطرت بھی ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی چاہتی ہے اور اسلامی تعلیمات بھی مسلمانوں کو ایک ملتِ واحدہ کا فرد بنانا چاہتی ہیں ۔

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک!
ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

معنی: میان شاخساراں: درختوں کی شاخوں میں ۔ قہستان: خراسان کا ایک علاقہ ۔

تشریح: جس طرح پھولوں اور چمن کے پرندوں کی صحبت میں شاہین کی پرواز کی بلندیوں کو کم کر دیتا ہے، اسی طرح اے مردِ مومن! دنیا کی دوسری قومیں اور باطل نظریات تیرے عظیم مقصد کی راہ میں حائل ہیں ۔ خدا نے تیرے بازوؤں میں اتنی قوت عطا کی ہے کہ تو اسلامی بنیادوں پر اپنا جہاں آپ پیدا کر سکتا ہے بشرطیکہ تُو غیروں سے مرعوب اور مغلوب نہ ہو ۔

بُتانِ رنگ و خُوں کو توڑ کر ملّت میں گُم ہو جا
نہ تُورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

تشریح: ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی میں سب سے زیادہ مہلک شے عصبیت، علاقائیت اور وطنیت جیسے باطل نظریات ہیں جو انسانوں میں فساد اور تفریق کا باعث بنتے ہیں ۔ اس لئے اے مردِ مومن! تُو رنگ و خون کی بنیاد پر بنائے گئے ان بتوں کو توڑ کر ملتِ واحدہ کا فرد بن جا، تیری شناخت تورانی، ایرانی یا افغانستانی قوم سے نہیں بلکہ اسلام کے ایک فرد کی حیثیت سے ہونی چاہیئے ۔ (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ - الحجرات)

گمان آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

معنی: قندیل رہبانی: راہب کی خانقاہ میں جلنے والا چراغ، مراد رہنما شمع ۔

تشریح: اس دنیا میں انسانوں نے جو اصول قوانین بنائے ہیں ان کی بنیاد محض گمان پر ہے، ان کا الہی ہدایت سے کوئی رشتہ نہیں ہے ۔ اس گمان کی دنیا میں مسلمانوں کا نورِ ایمان گھٹا ٹوپ اندھیرے میں قندیل رہبانی کی مانند ہے ۔ جس طرح کسی غیر آباد بیابان کے اندھیرے میں درویش کی کٹیا میں جلنے والا قندیل بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھا سکتا ہے یا پناہ دے سکتا ہے، اسی طرح مسلمان جہالت و گمراہی میں ڈوبی ہوئی دنیا اور انسانیت کو راہِ راست دکھا سکتا ہے ۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدرؓ، فقرِ بُوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ

معنی: قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب (Caesar) ۔ کسریٰ: ایران کے بادشاہوں کا لقب- استبداد: ظلم سے حکومت کرنا ۔

تشریح: اے مردِ مسلمان! تمہیں یاد ہونا چاہیئے کہ تمہارے اسلاف نے اپنے زمانہ کی سپر پاور قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ ملوکیت خاتمہ کیا، اور اس کے لئے انھوں نے اپنے اندر وہ صفات پیدا کر لی تھیں ۔ ان مسلمانوں کے اندر حضرت علیؓ جیسی شجاعت اور قوت تھی کہ وہ نہ کسی خوفزدہ ہوئے اور نہ ہی مرعوب ہوئے، ابو ذر غفاریؓ جیسا فقر و غنا تھا کہ دنیا اور اسکی نعمتوں میں مصروف نہیں ہو گئے، اور سلمان فارسیؓ جیسا صدقِ ایمان تھا ۔ اگر تم اپنے زمانہ کے ظالمانہ نظام کو مٹا کر اسلامی انصاف و مساوات کو قائم کرنا چاہتے ہو تو تمہیں یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے ہونگی ۔ یہ شعر افادیت کے لحاظ سے اس نظم کا حاصل ہے، یہی ایک شعر پوری نظم کے مقصد کو بیان کر دیتا ہے ۔

گائیڈنس پبلیشرز کی اہم مطبوعات

gpdelhi2018@gmail.com

Order Now
CALL: 9599693655

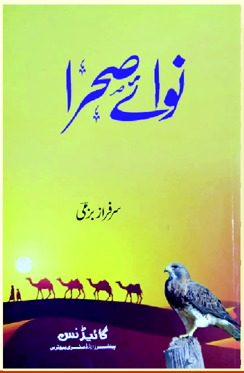

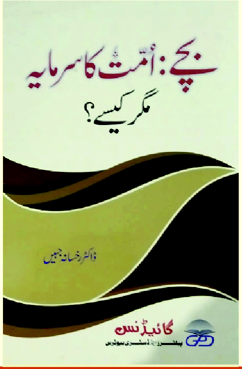

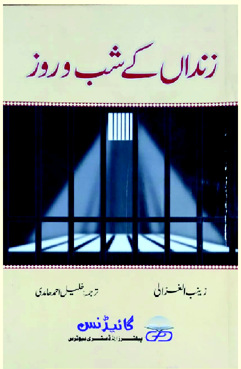

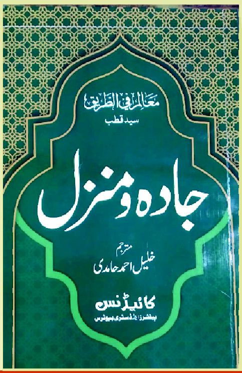

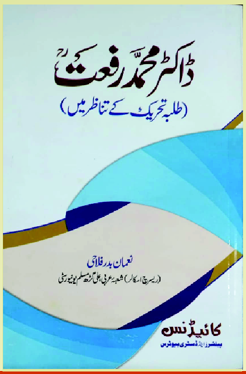

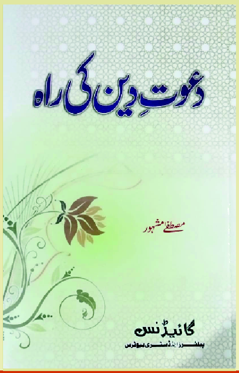

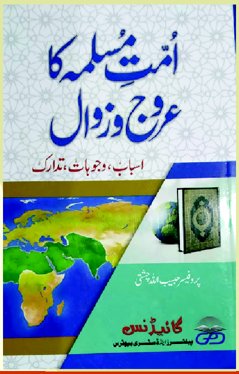

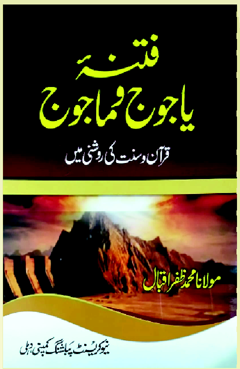

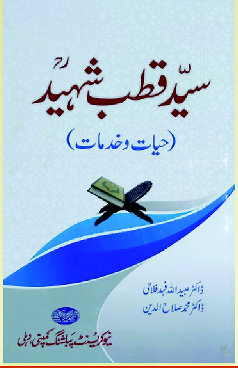

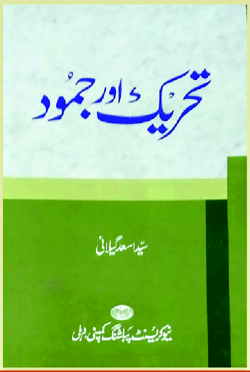

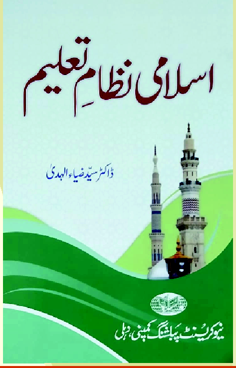

NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No: G/Akl Dn/258/2022-24

SHAHEEN GROUP OF INSTITUTIONS

SHAHEEN GROUP OF INSTITUTION'S

SHAHEEN ACADEMY

NANDED

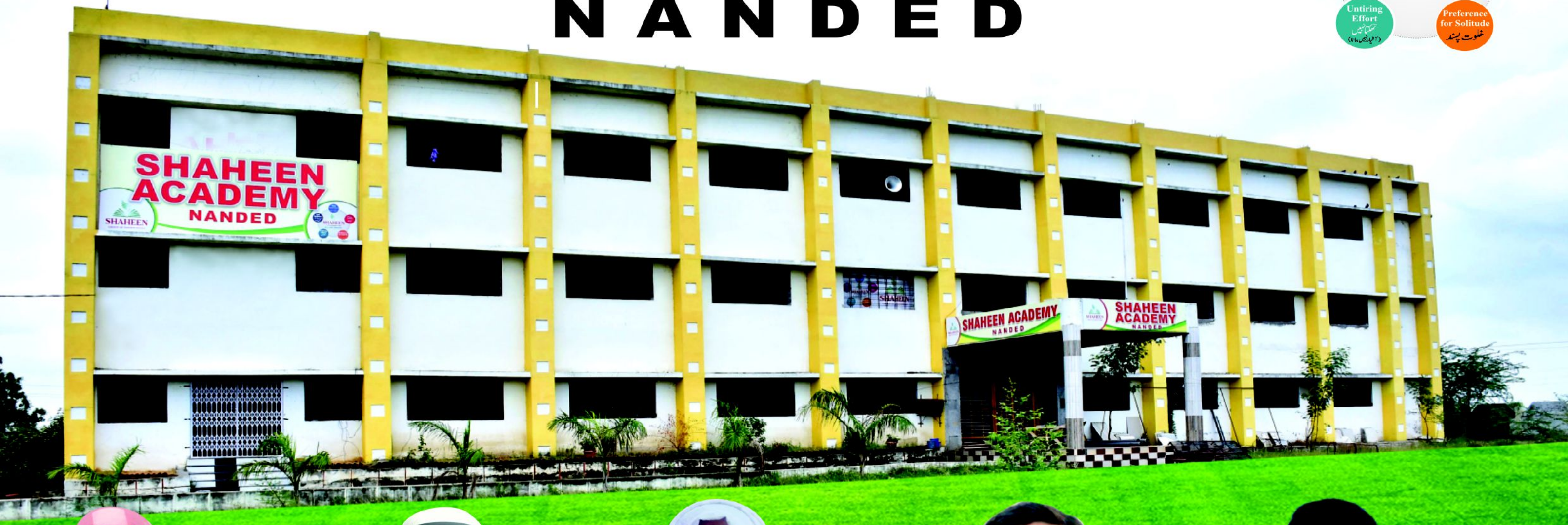

IRAM FATEMA
635
MBBS
B.J. Medical College, PUNE

HAFSA BEGUM
605
MBBS
Govt. Medical College, NANDED

TUBA AQSA
569
MBBS
Govt. Medical College, NANDURBAR

VEDANT AUSEKAR
566
MBBS
L.T.M. Medical College, MUMBAI

MD. SHAHBAZ
518
MBBS
Govt. Medical College, AKOLA

ADMISSION OPEN FOR
11th, 12th & NEET REPEATER

ADMISSION OPEN FOR
8th, 9th & 10th With Foundation studies targeting **NTSE & Olympiad**

Separate Classes for Boys & Girls With **Hostel Facility**

Quality Education With Moral Values under one roof

Achiever IIT JEE
2 years Integrated 11th & 12th + JEE

Achiever Medical
2 years Integrated 11th & 12th + NEET

Intensive NEET
1 year long term batch exclusive for Repeaters

CAMPUS Hassapur, Waghi Road, Near Bypass, NANDED.
Mobile : 7758862972 / 7387420523

NUKUSH - E - RAH
1st Floor, Opp Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola,444001
0724-2434333
nukusherah@gmail.com